ہفت روزہ

خدام الدین

لاہور

بانی

شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی

شیرانوالہ دروازہ لاہور

۵ اگست ۱۹۸۳ء

یکے از مطبوعات انجمن خدام الدین ◎ لاہور

ہدیہ - ۲/ روپے

احادیث الرسول صلی اللہ علیہ وسلم

ترجمہ — حضرت لاہوری قدس سرہٗ

عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ کَانَتِ امْرَاَتَانِ مَعَھُمَا ابْنَاھُمَا جَاءَ الذِّئْبُ فَذَھَبَ بِابْنِ اِحْدٰھُمَا فَقَالَتْ صَاحِبَتُھَا اِنَّمَا ذَھَبَ بِابْنِکِ وَقَالَتِ الْاُخْرٰی اِنَّمَا ذَھَبَ بِابْنِکِ فَتَحَاکَمَتَا اِلٰی دَاوٗدَ فَقَضٰی بِہٖ لِلْکُبْرٰی فَخَرَجَتَا عَلٰی سُلَیْمَانَ بْنِ دَاوٗدَ فَاَخْبَرَتَاہُ فَقَالَ ائْتُوْنِیْ بِالسِّکِّیْنِ اَشُقُّہٗ بَیْنَکُمَا فَقَالَتِ الصُّغْرٰی لَا تَفْعَلْ یَرْحَمُکَ اللّٰہُ ھُوَ ابْنُھَا فَقَضٰی بِہٖ لِلصُّغْرٰی۔ متفق علیہ۔

ترجمہ: ابی ہریرہ سے روایت ہے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا دو عورتیں تھیں دونوں کے پاس دو بیٹے تھے۔ بھیڑیا آیا اور ایک کا بچہ لے گیا۔ ان دونوں میں سے ایک نے اپنی ساتھ والی سے کہا کہ تیرا بیٹا بھیڑیا لے گیا ہے، دوسری نے کہا کہ نہیں تیرا بیٹا لے گیا ہے — دونوں داؤدؑ کے ہاں فیصلہ لائیں آپ نے بیٹا بڑی کو دلایا — پھر وہ دونوں سلیمانؑ بن داؤد کے ہاں گئیں۔ دونوں نے سلیمانؑ کو واقعہ سنایا آپ نے فرمایا مجھے چھری لادو میں اسے چیر کر دونوں کو دے دیتا ہوں۔ چھوٹی نے عرض کی اللہ آپ پر رحم کرے اس طرح نہ کیجئے وہ بڑی ہی کا بیٹا ہے۔ آپ نے وہ بیٹا چھوٹی کو دیا۔

---

125 وَعَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنَا اَوْلَی النَّاسِ بِعِیْسَی بْنِ مَرْیَمَ فِی الْاُوْلٰی وَالْاٰخِرَۃِ اَلْاَنْبِیَاءُ اِخْوَۃٌ مِّنْ عَلَّاتٍ وَّاُمَّھَاتُھُمْ شَتّٰی وَدِیْنُھُمْ وَاحِدٌ وَّلَیْسَ بَیْنَنَا نَبِیٌّ متفق علیہ۔

ترجمہ: ابیؓ ہریرہ سے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ میں سب لوگوں سے زیادہ دنیا اور آخرت میں عیسٰی بن مریمؑ سے زیادہ قریب ہوں۔ تمام انبیاء علاتی بھائی ہیں اور ان کی مائیں مختلف ہیں اور ان کا دین ایک ہے۔ میرے اور عیسٰیؑ کے درمیان کوئی نبی نہیں آیا۔

عَنْ وَّاثِلَۃَ بْنِ الْاَسْقَعِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اِنَّ اللّٰہَ اصْطَفٰی کِنَانَۃَ مِنْ وُّلْدِ اِسْمٰعِیْلَ وَاصْطَفٰی قُرَیْشًا مِّنْ کِنَانَۃَ وَاصْطَفٰی مِنْ قُرَیْشٍ بَنِیْ ھَاشِمٍ وَاصْطَفَانِیْ مِنْ بَنِیْ ھَاشِمٍ۔ رواہ مسلم

ترجمہ: واثلہ رضؓ بن الاسقع نے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے۔ آپؐ نے فرمایا اللہ (تعالیٰ) نے اسمٰعیلؑ کی اولاد میں سے کنانہ کو چنا اور کنانہ میں سے قریش کو چنا اور قریش میں سے بنی ہاشم کو چنا۔ اور مجھے بنی ہاشم میں سے چنا۔



باتیں اُن کی یاد رہیں گی | حضرۃ لاہوریؒ کے ارشاداتِ عالیہ کا مسلسل انتخاب

سرکارِ مدینہ کے اہم فیصلے

اور بارگاہِ الٰہی میں ان کی اہمیّت

وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْھَوٰی اِنْ ھُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی۔ (سورہ نجم رکوع ۱- پارہ ۲۷)

ترجمہ: اور نہ وہ اپنی خواہش سے کچھ کہتا ہے یہ تو وحی ہے جو اس پر آتی ہے۔

حاصل یہ ہے کہ دین کے معاملہ میں حضور انورؐ کا ہر ارشاد وحی الٰہی ہوتا ہے۔ شیخ الاسلام پاکستان حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ پہلی آیت کے حاشیہ پر فرماتے ہیں۔ یعنی کوئی کام تو کیا ایک حرف بھی آپ کے دہن مبارک سے ایسا نہیں نکلتا جو خواہش نفس پر مبنی ہو۔ بلکہ آپ جو کچھ دین کے باب میں ارشاد فرماتے ہیں وہ اللہ کی بھیجی ہوئی وحی اور اس کے مطابق ہوتا ہے اس میں وحی متلو کو "قرآن" اور غیر متلو کو "حدیث" کہا جاتا ہے۔ لہٰذا آج جو کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں وہ دراصل وحی الٰہی ہے۔ البتہ وحی کی دوسری قسم وحی غیر متلو ہے۔

نہایت ضروری اعلان اکثر جمعہ کی تقریر کی ابتدا میں یہ عرض کیا کرتا ہوں کہ جو کچھ میں عرض کروں گا اگر سننے والا گوش ہوش سے سنے اور لوحِ دل پر اس کو لکھ کرلے جائے، اسے عمل میں لاتے اور لحد قبر تک نبھاتے انشاء اللہ تعالےٰ اس کی برکت سے اللہ تعالےٰ کا فضل شامل ہوگا۔ قبر بہشت کا باغ بن جائے گی۔ قیامت کے دن دربار نبویؐ میں شرفِ باریابی حاصل ہوگا۔ انشاء اللہ تعالےٰ حوضِ کوثر سے پانی پلایا جائے گا۔ پچاس ہزار سال کا دن چار رکعت فرض کی دیر میں گذر جائے گا، جہنم سے بچا لیا جائے گا اور بہشت کا ٹکٹ مل جائے گا۔

اب سرکار مدینہ کے اہم فیصلے سنئے:۔

پہلا فیصلہ عَنْ تَمِیْمِ نِ الدَّارِیِّ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ الدِّیْنُ النَّصِیْحَۃُ ثَلٰثًا قُلْنَا لِمَنْ قَالَ لِلّٰہِ وَلِکِتَابِہٖ وَلِرَسُوْلِہٖ وَلِاَئِمَّۃِ الْمُسْلِمِیْنَ وَعَامَّتِھِمْ (رواہ مسلم) مشکوٰۃ ص۴۲۳

ترجمہ: تمیمؓ داری سے روایت ہے۔ تحقیق نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تین مرتبہ فرمایا۔ دین خیرخواہی کا نام ہے۔ ہم نے عرض کی، کس کی خیرخواہی؟ آپؐ نے فرمایا۔ اللہ کی، اور اس کی کتاب کی، اور اس کے رسولؐ کی اور مسلمانوں کے ذمہ داروں کی اور عام مسلمانوں کی۔

خیرخواہی کی نوعیّت اللہ تعالےٰ کی خیرخواہی یہ ہے کہ توفیق کے مطابق اس کے ہر حکم کی تعمیل کی جائے۔ اللہ تعالےٰ کی کتاب کی خیرخواہی یہ ہے کہ اس کے

اندر انسان کے لئے جو نظام الاوقات تجویز شدہ ہے اسے عملی جامہ پہنایا جائے۔ مثلاً توحید خداوندی کا اقرار، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ کی تعمیل، شرک، کفر، نفاق اعتقادی، چوری، شراب، زنا، جوا، مسلمان کے قتل وغیرہ گناہوں سے بچنا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خیرخواہی یہ ہے کہ آپؐ کی سنّت کا اتباع اور اس کی اشاعت کرنا —— آپؐ نے فرمایا ہے :-

مَنْ اَحْیَا سُنَّتِیْ فَقَدْ اَحْیَانِیْ وَمَنْ اَحْیَانِیْ کَانَ مَعِیَ فِی الْجَنَّۃِ (ترجمہ) جس شخص نے میری سنّت کو زندہ کیا تحقیق اس نے مجھے زندہ کیا اور جس نے مجھے زندہ کیا وہ میرے ساتھ بہشت میں ہوگا۔

مسلمانوں کے ذمہ داروں کی خیرخواہی یہ ہے کہ جب وہ مسلمانوں کی بہتری کے لئے کوئی کام تجویز کریں تو ان کا ساتھ دیں اور اسے پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لئے ان کا ساتھ دیں۔ عام مسلمانوں کی خیرخواہی یہ ہے کہ انہیں ہماری جس قسم کی امداد کی بھی ضرورت ہو وہ حسب توفیق کی جائے۔

دوسرا فیصلہ

کون آدمی بہترین ہے :-

عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ رضؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلَا اُنَبِّئُکُمْ بِخِیَارِکُمْ قَالُوْا بَلٰی قَالَ خِیَارُکُمْ اَطْوَالُکُمْ اَعْمَارًا وَاَحْسَنُکُمْ اَخْلَاقًا (رواہ احمد) مشکوٰۃ ص۴۳۲

ترجمہ: ابی ہریرہؓ سے روایت ہے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کیا میں تمہیں تم میں سے بہترین آدمی نہ بتلاؤں۔ انہوں نے عرض کی۔ ہاں (فرمائیے) آپؐ نے فرمایا۔ تم میں سے بہترین آدمی وہ ہیں جن کی عمریں لمبی ہوں اور اخلاق سب سے بہتر ہوں۔

ضروری عرض

برادرانِ اسلام! اخلاق کی اصلاح یا اخلاق انسانوں کے پاس عقیدت مندی سے بیٹھنے سے ہوتی ہے۔ ھٰذا ھو الحق المبین۔

تیسرا فیصلہ

عَنْ اَبِیْ اُمَامَۃَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ مِنْ شَرِّ النَّاسِ مَنْزِلَۃً عِنْدَ اللّٰہِ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ عَبْدٌ اَذْھَبَ اٰخِرَتَہٗ بِدُنْیَا غَیْرِہٖ (رواہ ابن ماجہ)

ترجمہ: ابی امامہؓ سے روایت ہے۔ تحقیق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کی بارگاہ میں قیامت کے دن مرتبہ کے لحاظ سے بدترین وہ آدمی ہوگا جس نے دوسرے کی دنیا کی خاطر اپنی آخرت برباد کر لی۔

(یعنی دوسرے شخص کی دنیاوی خواہش پوری کرنے کے لئے کسی پر ظلم کیا (اس کی دنیاوی خواہش پوری ہو گئی اور اس ظلم کے سبب سے اس کی آخرت برباد ہو گئی)

پہلی مثال

مثلاً انگریز کی حکومت کے وقت میں یہ ہوتا تھا کہ افسرانِ بالا ماتحت پولیس افسروں کو اشارہ کر دیتے تھے کہ فلاں شخص کو جو ملک و ملّت کی خیرخواہی کرتا ہے مگر حکومت برطانیہ کا خیرخواہ نہیں ہے۔ اس لئے اس پر جھوٹا مقدمہ بنا کر اور جھوٹے گواہ بھگتا کر اسے قید کر دو۔ جیسے کہ فدائے اسلام امیرالمجاہدین عاشقِ رسولؐ، سرخیل جانبازانِ اسلام حضرت مولانا سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری مرحوم کے خلاف افسرانِ بالا نے پولیس کے افسرانِ ماتحت کو بقول لدھارام حکم دیا تھا کہ شاہ صاحبؒ کی اصلی ڈائری پھاڑ دو اور نئی ڈائری لکھ کر ان پر مقدمہ چلا دو۔

امیرالمجاہدین کے لئے اللہ تعالےٰ کی امداد

برادرانِ اسلام! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ارشاد ہے۔ ان اللہ لیؤید ھٰذا الدین بالرجل الفاجر (ترجمہ) بے شک اللہ اس دین کی ایک فاجر انسان سے مدد کرا دیتا ہے۔

اللہ تعالےٰ نے پولیس مینوں ہی سے ایک کافر کو حضرت شاہ صاحب مرحوم کی امداد کے لئے کھڑا کر دیا۔ یاد رکھو فاجر کی معنی میں کافر بھی آ سکتا ہے۔ اس کافر نے انگریز کا راز فاش کر دیا۔ اور اللہ تعالےٰ میاں عبدالعزیز صاحب بیرسٹرایٹ لاء ساکن یکی دروازہ لاہور کو جزاء خیر عطا فرمائے۔ جنہوں نے انگریز کی مشینری کے خلاف کمال جرأت سے کام لیا۔ عدالت سے کہا۔ کہ میں سرکاری کاغذات پیش کروں گا جن سے ثابت کر دوں گا کہ افسران بالا نے افسرانِ ماتحت کو خفیہ احکام بھیجے ہوئے ہیں کہ حضرت شاہ صاحب کے خلاف خود ساختہ مقدمہ چلایا جائے۔ میاں عبدالعزیز صاحب کے اس جرأت آمیز اعلان پر انگریز کے چھکے چھوٹ گئے اور حضرت شاہ صاحب انگریز کے منحوس ارادوں کے دام سے نکل گئے۔

دوسری مثال

سیاسی مقدمات میں انگریز پہلے ہی سے یہ فیصلہ کر لیتا تھا کہ اس مقدمہ کے ملزم کو یہ سزا دینی ہے۔ اس کے بعد مقدمہ چلاتا تھا تاکہ ملزم کی تسلّی ہو جائے کہ میرا فیصلہ انصاف پر مبنی ہو گا۔ ادھر مجسٹریٹ کو ہدایت ہوتی تھی کہ مقدمہ چلاؤ مگر فیصلہ وہ کرنا جو حکومت پہلے کر چکی ہے۔ مثلاً تحریک کشمیر میں میرے خلاف سرکاری گواہ آ کر مجسٹریٹ کے سامنے بیان دیتا ہے کہ تقریباً اڑھائی مہینے ہوئے کہ مولانا احمد علیؒ کی ایک تقریر چوک وزیر خاں میں سنی تھی جو حکومت برطانیہ کے خلاف سخت تقریر کر رہا تھا۔ یہ مقدمہ بورسٹل جیل کے اندر چل رہا تھا۔ میں نے مجسٹریٹ سے کہا۔ کہ یہ گواہ دو غلط بیانیاں کر رہا ہے۔ پہلی یہ کہ میں نے عمر بھر کبھی وزیر خاں کے چوک میں تقریر نہیں کی۔ دوسری یہ کہ یہ کہتا ہے کہ اڑھائی مہینے ہوئے ہیں کہ میں نے اس کی تقریر سنی تھی۔ حالانکہ مجھے تقریباً تین ماہ بوسٹل جیل میں آئے ہوئے ہو گئے ہیں —— باوجود اس غلط بیانی کے مجھے سزا دی گئی اور اولڈ جیل ملتان بھیج دیا گیا۔

معزّز کون ہے؟

ترجمہ:- عمرؓ سے روایت ہے۔ آپؐ نے ایسے وقت میں فرمایا جب کہ منبر پر تھے۔ اے لوگو! تواضع اختیار کرو۔ کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے۔ آپؐ نے فرمایا۔ جس شخص نے اللہ کے لئے عاجزی اختیار کی اللہ اس کو بلند کر دے گا۔ پس وہ اپنے دل میں حقیر ہو گا اور لوگوں کی نظروں میں بڑا ہو گا۔ اور جس نے تکبّر کیا اسے اللہ ذلیل کر دے گا۔ پس وہ لوگوں کی نظروں میں حقیر ہو گا اور اپنے دل میں بڑا ہو گا۔ یہاں تک کہ وہ لوگوں کی نظروں میں کتّے اور خنزیر سے بھی ذلیل ہو گا۔" (رواہ البیہقی۔)

چوتھا فیصلہ

مفلس کون ہے؟

ترجمہ:" ابی ہریرہؓ سے روایت ہے۔ تحقیق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ تم جانتے ہو مفلس کون ہے؟ لوگوں نے کہا۔ ہم میں مفلس وہ ہے جس کے پاس نہ درہم ہوں اور نہ کوئی سامان ہو۔ پھر آپؐ نے فرمایا۔ تحقیق مفلس میری امّت میں سے وہ ہے جو قیامت کے دن نماز،

(باقی ۱۸ پر)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

شیعہ رہنما مفتی جعفر حسین کا انٹرویو

”داعیانِ اتحاد“ توجہ فرمائیں

۱۵ر جولائی ۸۳ء کے ”جنگ لاہور“ میں تحریک نفاذ فقہ جعفریہ کے قائد مفتی جعفر حسین کا ایک طویل انٹرویو چھپا تھا اس پر فوری طور پر ہمیں اظہار خیال کرنا چاہئے تھا لیکن بوجوہ تاخیر ہوتی چلی گئی ــــ تاہم اس پر بھرپور تبصرہ ہمارے ذمہ تھا جس کا گذشتہ ہفتہ ہم نے اعلان بھی کیا ــــ الحمد للہ کہ آج ایفاءِ عہد کا موقعہ مل رہا ہے ــــ والشکر علیٰ ذالک۔

انٹرویو نگار ارشاد حسین حقانی نے لکھا ہے کہ وہ صاحب فراش ہیں بہت کمزور ہو چکے ہیں۔ لیکن علالت اور پیرانہ سالی کے باوجود انہوں نے ”جنگ“ کو یہ طویل انٹرویو دیا ــــ موجودہ حکومت نے دینی غیرت کو بالائے طاق رکھ کر اس گروہ کے معاملہ میں جو رویّہ اختیار کیا اور انہیں جس طرح سر پر چڑھایا وہ سب کو معلوم ہے لیکن مفتی صاحب نے ارشاد فرمایا:۔

”اسلامائزیشن“ کے خاطر خواہ نتائج برآمد نہیں ہوئے حکومت کا رویّہ جانبدارانہ ہے ۔اور ہمیں اس سے جتنی شکایات ہیں کسی حکومت سے نہیں تھیں۔“

مزید ارشاد ہوتا ہے :۔

”حکومت زکوٰۃ عشر لینے کی مجاز نہیں، اس مسئلہ پر کوئی افہام و تفہیم نہیں ہو گی۔ اسلام میں مارشل لار کی کوئی گنجائش نہیں، معاہدہ اسلام آباد کی مکمل پابندی کی گئی، شیعہ سنی اختلافات طبعی ہیں ان کو ختم نہیں کیا جا سکتا۔“

بحالی جمہوریت کے لئے سرگرم عمل محترمہ ایم، آر، ڈی صاحبہ کی شریک پی پی پی کے ایک لیڈر جو سابق دور میں ایک مخصوص فورس کے نگران تھے اور ظلم و زیادتی کا نشان ــــ یعنی راؤ عبدالرشید۔ ان کے متعلق فرمایا گیا کہ :۔

”راؤ رشید کو بحالی جمہوریت کے لئے تعاون کا یقین دلایا تھا۔“

اور واقفانِ حال کو پتہ ہوگا کہ ۵ر جولائی کو ”ایم۔ آر۔ ڈی کی تحریک“ کے دن شیعہ برادری نے سیاہ حاشیوں والے پوسٹر ملک بھر میں تقسیم کئے اور دیواروں پر چسپاں کئے اور اس روز لاہور احتجاجی جلسہ بھی کیا زکوٰۃ و عشر کے متعلق انہوں نے مزید ارشاد فرمایا :۔

”ہم کسی ایسی الحکومت کو زکواۃ لینے کی مجاز نہیں سمجھتے جو شیعہ نہ ہو اور عادل نہ ہو۔“

یہ طویل انٹرویو ملک کے سب سے زیادہ کثیر الاشاعت اخبار میں چھپا ہے یقیناً لاکھوں لوگوں نے پڑھا ہوگا اس کے نقل کرنے کی ضرورت نہیں۔ ہم نے موٹے موٹے نکات نقل کر دئے ہیں ــ اور ہیچ

پوچھیں تو تبصرہ کی بھی چنداں ضرورت نہیں۔ لیکن چند گذارشات ضرور پیش کریں گے۔

ہمارے یہاں اکثریت ایسے لوگوں کی ہے جن کے نزدیک شیعہ سنی اختلافات کی کوئی خاص اہمیت نہیں ــــ اور بدقسمتی سے اس میں علمار تک شامل ہیں ــــ ہمارے خیال میں انہیں نہ تو شیعہ عقائد کا علم ہے نہ ان کے علم کلام سے واقفیت ہے نہ اس اقلیت کے تاریخی پس منظر سے آگاہی ہے ــــ حضور سرکار دو عالم، قائدنا الاعظم محمدؐ عربی علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی ہجرت مدینہ کے بعد طبقہ منافقین کی ریشہ دوانیاں ہماری تاریخ کا ایک سیاہ ترین باب ہے۔ اسی طبقہ نے آپؐ کے سانحہ ارتحال کے بعد مسئلہ خلافت کی بنیاد پر ہنگامہ آرائی کا منصوبہ بنایا اور پھر جب مجوسی سلطنت ایران مسلمانوں کے پاؤں تلے کچلی گئی تو وہاں کے خدابیزار اور اخلاق دشمن لوگوں کا قارورہ ان سے مل گیا۔ اس دو آتشہ نے تاریخ اسلام میں جو خونی ڈرامے رچائے اس سے آنکھیں موند لینا عقل مندی نہیں۔ ملّی خودکشی کے مترادف ہے۔

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت، حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خلاف ہنگامہ آرائی، خود حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کے لئے مشکلات پیدا کرنا اور انہیں مجبور کر دینا کہ وہ دارالخلافہ کوفہ بدل لیں، پھر واقعۂ کربلا کی ہولناکیاں، اس کے بعد سلطنت بنو امیہ، سلطنت بنو عباس، سلطنت مغلیہ اور برعظیم ہند و پاک میں ٹیپو شہیدؒ کے خلاف یدھ رچانا حتیٰ کہ پاکستان کو دو لخت کرانا، آپ تلاش کریں تو یہ ہاتھ ہر جگہ آپ کو سرگرم عمل نظر آئے گا۔ ”قرآن نامکمل و محرف کتاب ہے“ ــــ یہ ان کا بنیادی تصوّر و نظریہ ہے ــــ اس کے بعد داعیانِ اتحاد ــــ جو ہر وقت شیعہ سنی بھائی بھائی کے نعرے لگاتے ہیں انہیں سوچنا چاہیئے

خدام الدین
ہفت روزہ
لاہور

شمارہ ۵	۵ر اگست ۱۹۸۳ء	۲۴ر شوال المکرم ۱۴۰۳ھ	جلد ۲۹

رئیس الادارہ
حضرت مولانا عبید اللہ انور
اہتمام
مولانا محمد اجمل قادری

مجلس ادارت
محمد سعید الرحمٰن علوی
محمد ظہیر میر ایم اے ایل ایل بی

دفاتر
انجمن خدام الدین بلڈنگ پہلی چورنگی ناظم آباد کراچی
خدام الدین مرکز اندرون شیرانوالہ گیٹ۔ لاہور

بدل اشتراک

سالانہ	ششماہی	سہ ماہی
۸۰/-	۴۵/-	۲۵/-

ہدیہ
دو روپے

مولانا عبید اللہ انور نے کاسمو پرنٹنگ پریس سے چھپوا کر شیرانوالہ گیٹ لاہور سے شائع کیا

کہ وہ کس رُخ پر جا رہے ہیں ——— ہمارے یہاں ایک مرکزی وزیر نے جو شیعہ اقلیت کے نمائندہ تھے تقسیم ملک کے بعد فوراً ہی یہ کہہ دیا تھا کہ "اب یہاں سید عطاء اللہ شاہ بخاری کا قرآن کوئی نہیں سنے گا" ——— راجہ غضنفر علی، سکندر مرزا، قزلباش اور یحییٰ خاں کا کردار کوئی ڈھکا چھپا نہیں ——— اور اس موجودہ مقدس و مسعود دور میں اسلام آباد اور اس کے بعد کراچی میں اس اقلیت کا کردار، آخر یاروں کو کیوں نظر نہیں آتا؟ پڑوسی ملک ایران میں خمینی صاحب کے انقلاب کے بعد سعودی عرب سے لے کر پاکستان تک کے خلاف جو اس حکومت کا رویّہ ہے وہ خود وہاں سنّی اقلیت (جبکہ دراصل حال اقلیت مانتے نہیں) کے خلاف جو جانبداری ہے۔ ان سب حقائق کے علی الرغم حکومت، عمائدین اور دانشورانِ بے ننگ و نام کی ثناء خوانی اپنی روایات، اپنے عقائد اپنے علم کلام اور اپنی تاریخ سے ناواقفیت کی بین دلیل ہے ——— کبھی تو یہاں نصاب دینیات علیحدہ ہوتا ہے، کبھی حدود و تعزیرات پر دوئی کا بیج بویا جاتا ہے، کبھی زکوٰۃ و عشر پر ہنگامے ہوتے ہیں۔ اس کے بعد بھی وہ ہمارے بھائی ہیں ——— وہ ہماری قابل احترام ماؤں کے خلاف زبان درازی کریں، وہ ہمارے امام و قائد اور رسولِ رحمت کی صاحبزادیوں کا انکار کریں، وہ ہمارے شافع روز محشر کی تربیت یافتہ جماعت کے خلاف ہر بدزبانی کریں وہ پھر ہمارے بھائی ہیں ... ؟ یارو! اللہ سے ڈرو ——— مفتی جعفر حسین کے اس انٹرویو کے بعد بھی تمہاری آنکھیں کھلیں گی یا نہیں ——؟ تمہیں کب ہوش آئے گا۔ اور تمہارا مرا ہوا احساس اور دبی ہوئی غیرت کب جاگے گی ——— حکومتیں اور وہ بھی ایسی جیسی حکومت ہمارے کندھوں پر سوار ہے۔ ان کی ضرورتیں ہوتی ہیں وہ ہر ملحد و دہریہ اور ہر بے دین و رسوائے زمانہ کو گلے لگا لیتی ہیں ——— لیکن وہ لوگ جو ایک طرف اپنے آپ کو سنی برادری کا بلاشرکت غیرے ٹھیکیدار سمجھتے ہیں انہیں کیا پڑی کہ وہ محرّم میں سبیلیں لگائے اور مجلسیں بپا کرتے ہیں کیا یہ اہتمام اس لئے ہوتا ہے کہ یہ لوگ ہماری بنائی ہوئی سبیلوں سے پانی پی پی کر ہمارے ہی بزرگوں ——— جن سے عقیدت و محبت قرآن کا تقاضا اور رسول کا حکم ہے ——— کو کوسیں؟

ہم سچی بات ہے ممنون ہیں مفتی جعفر حسین کے کہ اس نے لگی لپٹی رکھے بغیر صاف صاف بات کہہ دی ——— اب گیند برادرانِ اہلسنت کی جیب میں ہے کہ ان کا ردِّ عمل کیا ہوتا ہے اور ان کی مری ہوئی غیرت کیونکر، کس طرح اور کب جاگتی ہے؟ ——— اگر اب بھی ہماری آنکھیں نہ کھلیں، اب بھی ہوش نہ آیا، اب بھی بیدار نہ ہوئے تو حالات کی گردش ہمیں حرف غلط کی طرح مٹا دے گی کیونکہ بے غیرت و بے حمیّت کا دنیا میں کوئی مقام نہیں ہوتا اور وہ حرف غلط کی طرح مٹ جاتے ہیں ——— سنّیو! جاگو، ہوش میں آؤ، غیرتِ ملّی کا مظاہرہ کرو، نبی، اصحاب نبیؐ، اہلبیت نبویؐ (ازواج مطہرات) اور اولادِ نبی کی عزت و توقیر کو اپنے ایمان کا حصہ بنا کر ہر اس طبقہ اور گروہ سے الگ ہو جاؤ جو ان کا نہیں۔

اللہ تعالیٰ ہمیں غیرت ملّی سے نوازے اور کامیاب فرمائے۔

علو ۲۰ شوال ۱۴۰۳ھ

خُطبہ جُمعہ

خوش قسمت ہیں وہ لوگ — جو — انسانیت کی بھلائی کے لیے اپنی جان قربان کرتے ہیں

ضبط و ترتیب: ادارہ

جانشینِ شیخ التفسیر حضرت مولانا عبیداللہ انور مدظلہ العالی!

بعد از خطبہ مسنونہ:-

اعوذ باللہ من الشیطٰن الرّجیم، بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم:-

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰی تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ۚ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَیْءٍ فَاِنَّ اللّٰہَ بِہٖ عَلِیْمٌ ۝

بزرگانِ محترم! آج کی معروضاتِ جمعہ کا عنوان ہے کہ اپنی محبوب اور پسندیدہ چیز اللہ کے راستہ میں لٹائے بغیر دنیا اور آخرت میں سرخروئی نصیب نہیں ہو سکتی۔ ساری آسمانی کتب اور مصلحین نے انسانوں کی بھلائی کے لیے اس دھرتی پر تن، من، دھن سب کچھ نثار کرنے کی تعلیم دی۔ انسان کو اللہ تعالےٰ نے اپنا دست نگر بنایا، انسان کو بہت ہی کمزور و ضعیف بنایا۔ خُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِیْفًا۔ پھر انسان کو انسان کا محتاج بنایا۔ بچّے کی ماں اگر اس کی دیکھ بھال اور پرورش نہ کرے، اسے سردی گرمی سے نہ بچائے، اس کے دودھ کا انتظام نہ کرے اور پھر اگر اس کو دودھ پلانے کے بعد چارپائی پر ڈال دے اور اس کی نگہداشت نہ کرے تو کون اس کو گرنے یا کتّے، بلّی کی چیرہ دستی سے بچائے گا؟

اللہ نے انسان کو کمزور پیدا کیا لیکن جب اس کو دولتِ ایمان میسّر آ جائے، خدا سے اس کا تعلق جڑ جائے تو اس سے پھر طاقت ور کوئی نہیں۔ یہی انسان خدا کا خلیفہ اور نائب ہے، خدا کا فرستادہ ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدّث دہلویؒ فرماتے ہیں۔ کہ اللہ تعالےٰ اپنی قدرت کاملہ سے اس جہان کو چلا سکتے تھے۔ جس طرح اللہ نے اس جہان کو بغیر وسیلہ کے پیدا کیا، بغیر ذریعہ کے پیدا کیا۔ آپ موم سے، پتھر سے، مٹی سے بُت بنا سکتے ہیں۔ کسی نہ کسی انسان کا ڈھانچہ تیار کر سکتے ہیں۔ آپ لوہے سے جس طرح چاہیں چھریاں، کانٹے، چاقو بنا سکتے ہیں، اس کو توڑ مروڑ کر آپ چاہیں تلواریں، ڈھالیں اور جہاز۔ ہوائی اور بحری ہر قسم کے تیار کرنے پر قادر ہیں۔ یہ بھی تخلیق ہے۔ لیکن اللہ کی ذات وہ ہے جو پہلے مادہ کسی چیز کا، پھر اس کی شکل و صورت، پھر اس کے خواص، پھر اس کو جسم اور پھر اس کو موت دیتی ہے۔

ہم اگر کوئی چیز بناتے ہیں تو پہلے مٹی موجود ہوتی ہے اس سے پختہ اینٹیں تیار کی جاتی ہیں پھر عمارت، اسی طرح پہلے لکڑی موجود ہوتی ہے۔ اس کو تراش خراش کر میز، کرسیاں، دروازے، کھڑکیاں اور ہر قسم کا فرنیچر بنا سکتے ہیں۔ لیکن اللہ کی ذات جب کسی کو بناتی ہے تو پہلے اس چیز کا مادہ تیار ہوتا ہے۔ پہلے مٹی، لکڑی، پتّھر خدا نے پیدا کیا۔

آپ پھول کو دیکھیں۔ ہم اس کی مثل پھول تو بنا سکتے ہیں لیکن اس میں جو قدرتی رنگت اور خوبصورتی ہے، بھینی بھینی خوشبو ہے، ہم وہ رنگت اور خوشبو بنانے پر قدرت نہیں رکھتے۔ ہم اس کو رنگ دیں گے تو مصنوعی ہوگا۔ لیکن اللہ تعالےٰ تو پانی، مٹی، حرارت اور ہوا کے امتزاج سے یہ چیزیں اس میں پیدا فرماتے ہیں۔ اب یہ

مصنوعی کاغذی پھول مختلف بیماریوں یا دواؤں کے لیے استعمال تو نہیں ہو سکتا جس طرح قدرتی پھول استعمال ہو سکتا ہے۔

یہ فرق ہے ہماری مصنوعی خلقت اور خداوند تعالیٰ کی خالقیت حقیقیہ کا۔ یہ بات تو انسانی تصور میں بھی نہیں آسکتی کہ انسان کی بنائی ہوئی چیز خدا کی بنائی ہوئی چیز کا مقابلہ کر سکتی ہے۔ اسی طرح ایک مصنوعی آنکھ انسان کی بنائی ہوئی ہے اور ایک خدا کی۔ اسی طرح آج دنیا میں مصنوعی دل انسان بناتا ہے اور ایک خدا نے دل بنایا ہے۔ گویا جتنا فرق آسمانوں اور زمین میں ہے۔ اس سے بھی وسیع و عریض فرق ہماری بنائی ہوئی چیزوں اور خدا کی خالقیت میں ہے۔ اس سے اندازہ ہو جاتا ہے کہ انسان کتنا محتاج ہے، کتنا بے بس ہے۔ اس محتاجی اور بے کسی کی وجہ سے ہی انسان کو مدنی الطبع کہا جاتا ہے یعنی مل جُل کر رہنے والی مخلوق۔ اور انسان کا مادہ ہی اُنس ہے۔ آپس میں محبت و انس سے رہنے والی مخلوق۔ آپس کے تعاون اور اشتراک کے بغیر زندہ رہ ہی نہیں سکتا۔

آپ دیکھتے ہیں کہ بعض جانور خونخوار' درندے ایک دوسرے کو پھاڑ کھانے والے ہوتے ہیں۔ بعض جانور ایسے بھی ہیں جو اپنے ہی بچوں کو کھا جاتے ہیں۔ سانپ اپنے ہی بچوں کو کھا جاتا ہے۔ بڑی مچھلیاں چھوٹی مچھلیوں کو کھا جاتی ہیں۔ لیکن جو انسان ہے وہ ان چیزوں کو ہی کھائے گا جو حلال ہیں اور جو لوگ غیر مہذب ہیں وہ خنزیر، کتے، بلیاں بھی کھائیں تو ان کی بات نہیں۔ البتہ وہ لوگ کتے، بلیاں اور خنزیر کھانے کے باوجود اپنی اولاد کو نہیں کھائیں گے خواہ کتنے ہی غیر مہذب اور ناشائستہ کیوں نہ ہوں۔

ناشائستہ حرکات' بُرے اخلاق، ماحول کو گناہوں اور معصیت کی آلودگیوں سے پاک کرنے اور انسان کو یہ بتانے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو کیوں پیدا کیا۔ اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کی بعثت کا سلسلہ شروع فرمایا اور انبیاء علیہم السلام نے یہ بتایا کہ اس دنیا میں انسان کو بھیجنے کی غرض کیا ہے؟ کیا اس دنیا میں ہی ہمیشہ رہنا ہے۔ یا اس دنیا سے کوچ کرنا ہے۔ اور ایسے جہان میں جانا ہے جہاں اس دنیا کی کوتاہیوں یا کارہائے نمایاں جو اس نے انجام دیے ان کی جزا و سزا اسے ملنی ہے

تمام انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات سے یہ بات ثابت ہے کہ اس جہان نے ایک دن تباہ ہونا ہے۔ جس طرح انسان کو اللہ عدم سے وجود میں لایا اسی طرح اس جہان کو بھی بنایا۔ اور انسان کو جس طرح اس دنیا سے مٹنا ہے اسی طرح اس جہان نے بھی تباہ و برباد ہونا ہے۔ باقی اور ہمیشہ رہنے والی صرف اللہ کی ذات ہے۔ وَيَبْقَىٰ وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ۔

اسی طرح اللہ کی ذات پر ایمان لانا سارے انبیاءؑ علیہم السلام کی تعلیمات کا لُبِّ لباب ہے۔ خدا کی ذات پر اگر ایمان ہے تو یقیناً پھر قیامت پر، اس جہان کی خاتمیت پر، مجازات پر بھی ایمان لانا ضروری ہے۔ ایمان کے بعد اعمال اور اخلاق کی اصلاح ہے۔ اس لیے دنیا میں جتنے بھی انبیاء، ریفارمر اور مصلحین تشریف لائے۔ وہ ایمان کے بعد اخلاق و اعمال سے بحث کرتے ہیں۔ اخلاق کی فہرست نہایت طویل ہے۔ اس میں حقوق اللہ، حقوق والدین، چھوٹے بڑے کے حقوق، پڑوسی کے حقوق، بیمار کے حقوق، عزیز و اقارب کے حقوق وغیرہ سب آجاتے ہیں۔

اس لیے اگر ہمارے اخلاق اچھے ہوئے، اعمال بہتر ہوئے تو آخرت میں بہتر اجر ملے گا، رذیل اور بُرے ہوئے تو جزا بھی المناک ہوگی۔ اسی کو حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کہتے ہیں کہ جو بھی آپ نیک یا بد عمل کر رہے ہیں عالم مثال میں اس کی تصویر بن رہی ہے۔ اچھے اعمال کی اچھی صورت اور برے اعمال کی سانپ بچھو کی مانند بُری صورت بن رہی ہے جو اسے وہاں کاٹیں گے، ڈسیں گے۔ جیسے ایک شخص کو اللہ نے مال دیا۔ اب اس مال کو اللہ کے راستے میں غرباء، مساکین، یتیم، بیواؤں، اپاہج اور ضعیف و نادار لوگوں پر خرچ کرنے کی بجائے وہ انسان اس پر سانپ کی طرح کنڈلی مار کر بیٹھ جائے، اللہ کے راستہ میں اس کو خرچ نہ کرے۔ یہ بنک بیلنس، یہ سونے چاندیاں اور مال و دولت جو لوگ چھپا چھپا کے رکھتے ہیں ان کی صورت عالم مثال میں سانپ اور بچھو کی ہوگی۔ یہی مال و دولت گنجے سانپ اور بچھو کی شکل میں اس کی گردن کا قیامت کے

دن ہار ہوں گے۔ آواز یہی سنائی دے گی أَنَا مَالُكَ، أَنَا كَنْزُكَ۔ میں غیر نہیں تیرا ہی مال اور خزانہ ہوں۔ جسے تو نے جمع کر کے دنیا میں رکھا تھا۔

اسی طرح دنیا میں جو دھاندلیاں' بے ایمانیاں، ظلم و جَور اور زیادتیاں کسی نے کی ہیں۔ تو قیامت میں دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو جائے گا۔ وہاں اللہ کے حضور انسان کو ہی انسانوں کے حق چُکانے پڑیں گے — وہاں اپنے نیک اعمال دوسروں کو دے کر ہی چھٹکارا حاصل کرے گا۔ یہ مال و دولت تو وہاں کسی کام کا نہیں کہ وہاں رشوت دے کر نجات پا جائے۔ اس لیے اس دنیا میں جو اعمال کیے ان کو دنیا میں ہی سمیٹ لیں، ان کا محاسبہ کریں، حقوق اللہ اور حقوق العباد کو پورا کریں۔ کیونکہ وہاں قیامت کو تو ہو سکتا ہے اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے اپنا حق معاف کر دے لیکن حقوق العباد تو کسی صورت میں معاف نہیں ہوں گے۔ شہید کے سب گناہ معاف لیکن حقوق العباد اس کو بھی ادا کرنا پڑیں گے۔

اس لیے ہمارے اوپر یہ بات لازم ہے کہ ہم کسی انسان کا حق ضائع نہ کریں بلکہ ان کی اصلاح اور بھلائی کا زیادہ سے زیادہ خیال رکھیں۔ انسانیت کی بھلائی کے لیے اپنی زندگی وقف کر دیں۔ جو کچھ مال و دولت اللہ نے عطا فرمایا ہے اس کو اللہ کے راستہ میں دینی امور پر خرچ کریں۔ غرباء و مساکین میں تقسیم کریں۔ صحابہ کرامؓ اور مصلحینِ امت کی مثالیں ہمارے سامنے ہیں۔ حضرت عثمان غنیؓ جن کو اللہ تعالیٰ نے بے انداز دولت عطا کی تھی، ہر طرح کی نعمتوں سے نوازا تھا۔ دولتِ دنیا سے کئی گنا زیادہ دولتِ ایمان نصیب فرمائی تھی۔ اس لیے اپنی دولت کو چھپا کر تجوریاں نہیں بھریں۔ بلکہ اللہ کے راستہ میں انسانوں کی فلاح و بہبود کے لیے اس کو لٹاتے رہے۔ اگر میٹھے پانی کے کنویں کی مسلمانوں کو ضرورت پڑتی ہے تو اپنی گرہ سے رقم ادا کرتے ہیں۔ اگر جنگ کے موقعہ پر چندہ کی ضرورت پڑتی ہے تو تین تین سو اونٹ لدے پھندے غلّہ سے اللہ کے راستہ میں مسلمانوں کے لیے حضورؐ کی خدمت میں پیش کر دیتے ہیں۔ لیکن شہادت کے وقت حالت یہ ہے کہ صرف دو اونٹنیاں گھر میں بچ جاتی ہیں باقی تمام سرمایہ راہِ خدا میں نچھاور کر چکے تھے۔ درحقیقت وہ نفس کے غنی تھے۔ جیسا کہ حضورؐ سے ارشاد فرمایا کہ اَلْغِنٰی غِنَی النَّفْسِ۔ اصل غنا تو نفس کا غنی ہونا ہے مال و دولت کی کوئی حیثیت نہیں یہ تو آنی جانی چیز ہے آج ہے کل نہیں۔ دنیا میں کتنے ہی قارون آئے لیکن نہ آج وہ ہیں نہ ان کا مال و دولت، یہ نہیں کہ وہ مٹ گئے اور مال و دولت باقی رہ گیا بلکہ صفحۂ ہستی پہ اُن میں سے کسی کا نشان نہیں ؎

غرور تھا، نمود تھی، ہٹو بچو کی تھی صدا
اور آج تم سے کیا کہوں لحد کا بھی پتہ نہیں

اور جس طرح مال و دولت اور سرمایہ ڈھلتی چھاؤں ہے اسی طرح اقتدار بھی ہمیشہ باقی نہیں رہتا۔ اقتدار بھی ایک نہ ایک دن ہاتھ سے نکل جاتا ہے۔ دنیا میں بڑے بڑے فرعون، ظالم اور با جبروت حکمران آئے۔ لیکن نہ آج وہ خود زندہ ہیں نہ ان کا اقتدار باقی ہے۔ کبھی ہمارے ملک میں سکندر مرزا اور ایوب خاں صدر تھے تو کبھی یحییٰ خان۔ لیکن ان کا دَورِ حکومت اور انجام بھی آپ نے دیکھ لیا۔ آج بھٹو صاحب برسرِ اقتدار ہیں تو ان کا بھی انجام آپ دیکھ لیں گے۔

آج جن کے پاس مال و دولت ہے، سرمایہ ہے، امارت و اقتدار ہے، انہیں ان چیزوں پر گھمنڈ ہے، ناز ہے۔ اس لیے وہ بڑے تکبّر سے، غرور اور فخر سے اکڑ کر چلتے ہیں۔ گویا زمین و آسمان انہوں نے اپنے اختیار میں کر لیے۔ اور آسمان و زمین کے خزانے ان کے قبضہ میں ہیں۔ یہ نظامِ کائنات انہی سے چل رہا ہے اور وہ اس کے بلا شرکت غیرے مالک ہیں۔ حالانکہ جب اچانک پیغامِ اجل آئے گا۔ موت کا فرشتہ سامنے ہو گا۔ تو پھر سارا مال و دولت، سرمایہ و اقتدار، غرور و تکبر کسی کام نہ آئے گا سب یہاں ہی دھرا رہ جائے گا۔

خوش قسمت ہیں وہ لوگ جو انسانیت کی بھلائی کے لیے اپنی جان، مال، اولاد، اپنی قوتوں اور صلاحیتوں کو قربان کرتے ہیں۔ کسی کو اللہ نے علم دیا ہے، کسی کو مال و ثروت سے نوازا ہے، کسی کو اقتدار عطا کیا ہے، کوئی ڈاکٹر ہے، انجنیئر ہے اور کسی کو اللہ نے کوئی اور فن اور ہنر دیا ہے، ساتھ ہی ایمان کی دولت سے نوازا ہے۔ اب اگر یہ انسان

اپنی ان قوتوں اور صلاحیتوں کو انسانیت کی خیر و بہتری کے لیے وقف کر دیں ۔ تو یہ انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات کے عین مطابق ہے ۔ جس طرح میدان جنگ میں کافروں کے ہاتھوں کوئی انسان شہادت حاصل کرتا ہے یا مظلومی کی حالت میں مارا جاتا ہے ۔ اسی طرح ایک شخص انسانیت کی بھلائی کے لیے اپنی جان قربان کر دیتا ہے تو اس سے بڑھ کر اور کون سی خوش قسمتی ہے ۔

آپ نے اخبارات میں ڈاکٹر متین صاحب صدیقی کی موت کے بارے میں پڑھا ہوگا کہ انسانیت کی خدمت کرتے ہوئے ایک انسان کی جان بچانے کے لیے وہ اپنی زندگی سے بھی ہاتھ دھو بیٹھے ۔ ان کا خدمت خلق کا یہ جذبہ اور ولولہ قابل ستائش اور دوسروں کے لیے سبق ہے ۔ اگر سارے لوگ یہی جوش و خروش، اسی قسم کا ولولہ اور جذبہ اور یہی تڑپ اور سوز انسانیت کی خدمت کے لیے اپنے اندر پیدا کر لیں ۔ تو معاشرے کی اصلاح خود بخود ہو جائے گی ۔ اسی طرح انبیاء علیہم السلام اور مصلحین امت دنیا میں انسانیت کو بام عروج پر پہنچانے کے لئے آتے ہیں ۔ ان کے پیش نظر یہی بات ہوتی ہے کہ انسان ایک معاشرہ میں تبدیل ہو جائیں ۔ سب ایک ہی رنگ میں رنگے جائیں ۔ اس راستہ میں ان کو طرح طرح کے مصائب جھیلنے، طرح طرح کی مشقتیں اٹھانی اور طرح طرح کی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے لیکن وہ اس راہ میں ان سب باتوں کو خندہ پیشانی سے برداشت کرتے ہیں ۔

سید احمد شہیدؒ ، شاہ اسمٰعیل شہیدؒ اور ان کے رفقاء کے حالات پر نظر ڈالیے کہ دہلی سے مجاہدین کا قافلہ چلتا ہے ۔ راستہ میں سنگلاخ پتھریلی زمین ، ندی نالے اور ہر طرح کے نشیب و فراز سے گزر کر بالا کوٹ پہنچتے ہیں اور انسانیت کو انگریز اور سکھوں کے مظالم سے نجات دلانے کے لیے خود اپنی جان قربان کر دیتے ہیں ۔ یہ علیحدہ بات ہے کہ انگریز کے راتب پر پلنے والے ، انگریز کے دستر خوان سے ہڈیاں چوس کر ان کے اشاروں پر دُم ہلانے والے آج بھی ان کو "شہید" کی بجائے "قتیل" کہتے ہیں ۔ اور آج بھی ان کی زبانیں ان مجاہدین کو کافر کہنے اور گالیاں بکنے میں بے باک ہیں لیکن ان سے کوئی پوچھے تم نے کون سا تیر مارا کون سی قربانی دی ۔ تم نے مسلمانوں کو کافر بنانے کے علاوہ کون سا کارنامہ انجام دیا ؂

سودا قمارِ عشق میں شیریں سے کوہکن
بازی اگرچہ لے نہ سکا سر تو دے سکا
کس منہ سے اپنے آپ کو کہتا ہے عشق باز
او رُو سیاہ ! تجھ سے تو یہ بھی نہ ہو سکا

عرض یہ کر رہا تھا کہ خوش قسمت ہیں وہ لوگ جو دوسرے کے لیے تن من دھن سب کچھ قربان کرتے ہیں ۔ اگر کسی کو اللہ تعالےٰ نے اقتدار دیا ہے وہ اس کو اللہ کی رحمت سمجھے ، رعایا کی خدمت کرے ، ان کے چین ، سکھ اور آرام کا خیال کرے ، تاکہ قیامت میں خود بھی چین پائے ۔ اور اگر اقتدار سے غلط فائدہ اٹھائے ۔ رعایا کو امن کے بجائے اپنے ستم اور ظلم کا نشانہ بنائے ۔ قتل و غارت گری کا بازار گرم کرے ۔ لوگوں کو جھوٹے مقدمات میں ملوّث کرے ۔ جیسا آج ہمارے ملک میں ہو رہا ہے تو پھر اللہ کی بے آواز لاٹھی کا انتظار کرو کہ ظالموں سے پھر قدرت ایسا بدلہ لیتی ہے کہ سب چوکڑی بھول جاتی ہے ۔

اس ملک میں جن لوگوں نے ظلم و ستم کا سینہ سپر ہو کر مقابلہ کیا ، انسانیت کو موجودہ حکمران طبقہ کے جور و جفا سے نجات دینے کی کوشش میں اپنے خون سے زمین کو لالہ زار بنا گئے وہ ہمارے لیے سرمایۂ افتخار ہیں ۔ آج سید شمس الدین شہید اور سید منیر احمد شاہ شہید کی راہ پر چلنا ہماری عین سعادت ہے کہ ان لوگوں کی قربانی نیک مقاصد کے لیے تھی ۔ لیکن اس کے ساتھ ہی ارباب اقتدار بھی اپنے رویّہ پر غور کریں ، اپنا دامن انسانیت کے خون سے تر نہ کریں ، اپنے گریبان میں جھانک کر دیکھیں کہ وہ کس ڈگر پر چل رہے ہیں ، اقتدار ہمیشہ ان کے ساتھ نہیں رہے گا ۔ قیامت کو تو اقتدار صرف اللہ کے پاس ہوگا اور وہ ایک ایک لمحہ اور ایک ایک حرکت کا حساب لے گا ۔ اس لیے آپ ابھی سے اپنی روش تبدیل کر لیں ۔ بے گناہوں کے خون سے اور زیادہ اپنے ہاتھ نہ رنگیں ۔

اللہ سے دعا ہے کہ اللہ ہمیں اپنے حقوق کی ادائیگی اور انسانیت کی خیر خواہی اور بھلائی کی زیادہ سے زیادہ توفیق عطا کرے اور ہمیں سب کچھ اپنے راستہ میں قربان کرنے کا جذبہ نصیب فرمائے ۔ آمین ! وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین ۔



نظم جماعت اور امارت شرعیہ ۲

احقر کا یہ مقالہ مرکزی انجمن خدام القرآن کے سالانہ چھ روزہ محاضرات قرآنی کے آخری اجلاس میں احقر کی عدم موجودگی کے سبب حافظ محمد عاکف صاحب نے پڑھ کر سُنایا ۔ افادۂ عام کی غرض سے پیش خدمت ہے ۔ (علوی)

برعظیم پاک و ہند کے پچھلے المناک دور میں مسلمانوں کی عظمتِ رفتہ کی بحالی کے ضمن میں جو کوششیں ہوئیں ان میں سے بعض کا تعلق ۱۸۵۷ء سے پہلے سے ہے اور بعض کا تعلق ۱۸۵۷ء کے بعد سے ، ۱۸۵۷ء ہماری بدقسمتی کا اہم موڑ تھا جب برائے نام سی مسلم مغل حکومت بھی دم توڑ کر رہ گئی ۔

غازی اورنگ زیب عالمگیر مرحوم سے لے کر ۱۸۵۷ء کے دور میں مختلف رہنماؤں نے مسلمانوں کی حکومت کے تحفظ کے لئے اپنے طور پر کوشش کی جبکہ اس دوران ایک تحریک ایسی بھی نظر آتی ہے جس کا مقصد محض مسلمان قوم کا غلبہ نہ تھا بلکہ ان کے پیش نظر فی الحقیقت ایک عادلانہ اسلامی حکومت کا قیام تھا جس کا سربراہ نہ قیصر ہو نہ آمر، نہ جمہوریت کی آڑ میں اوامر دین کو غارت کرنے والا ہو بلکہ وہ حقیقی معنوں میں الذین ان مکناھم فی الارض الآیہ کا مصداق ہو ـــ یہ تحریک جس کا میں نے اشارہ کیا اس سے میری مراد وہ تحریک جہاد ہے جس کے فکری قائد و رہنما تو حضرت الامام الشاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ تھے تو جہادی قائد حضرت الامیر السید احمد بریلوی قدس سرہ، اور ان کے جو مردان خدا مست نظر آتے ہیں ان میں خانوادہ ولی اللہی کے فرزند عزیز مولانا محمد اسماعیل شہید دہلوی اور مولانا عبدالحی بڈھانوی کے ساتھ ساتھ علمائے صادق پور کی پوری کھیپ موجود ہے ۔

اس تحریک نے گو کہ بالاکوٹ میں وقتی طور پر دم توڑ دیا لیکن یہ کہنا کہ یہ تحریک سرے سے ختم ہو گئی ، صحیح نہ ہوگا بلکہ وقت پر یہ ثابت کیا جا سکتا ہے کہ آئندہ چل کر جتنی تحریکیں اٹھیں ان کے پس منظر میں اسی عہد رفتہ کی چنگاریاں تھیں خود ۱۸۵۷ء کے جرنیل معظم بخت خان مرحوم اسی سلسلہ کے فرد تھے جیسا کہ "۱۸۵۷ء کے ہیرو" کی فاضل مصنفہ سیدہ انیس فاطمہ بریلوی کی تحقیق ہے ۔

۱۸۵۷ء کے بعد بالکل ایک نیا دور شروع ہوتا ہے اور یہ بات یقین کے درجہ میں کہی جا سکتی ہے کہ غاصب انگریزی قوت اس سال کو اپنی مکمل فتح کا سال سمجھتی تھی اور اس کا خیال تھا کہ اب یہاں میرے اقتدار کو چیلنج کرنے والا کوئی نہیں ہوگا لیکن میدان جہاد میں وقتی طور پر شکست کھانے والے لوگ تعلیم کے میدان میں جُت گئے اور اس طرح انہوں نے اپنی منتشر قوتوں کو منظم کرنا شروع کر دیا ۔

ایک شکست خوردہ قوم جو اپنا سب کچھ کھو چکی تھی اسے مقصدِ رفیع و بلند کے لئے متحد کرنا اور اس کے قویٰ پر پژمردگی و اضمحلال کے موجود اثرات کو دُور کرنا جتنا مشکل کام ہے اس کا عام آدمی اندازہ نہیں کر سکتا ۔ اس لئے

اس میدان میں اُس دَور کی قیادت کو جتنی صبر آزما محنت کرنا پڑی، آج کی عافیت کوش دنیا کے پاس اُس کو تولنے کا کوئی پیمانہ نہیں ــــ انیسویں صدی کے مابقی سال ایسے تھے کہ ان میں عیسائی مشنریوں کی یلغار کو روک کر امت کے عقائد کا تحفظ اور تعلیمی اعتبار سے اپنے بے داغ ماضی سے رشتہ جوڑنا ہی سب سے اہم کام تھا اور بیسویں صدی شروع ہونے ہی حرکت وعمل کے لئے نئی منصوبہ بندی شروع ہو گئی جس میں ایک واضح عنوان "جمعیۃ الانصار" کا قیام ہے جس کی فکری قیادت شیخ الہند مولانا محمود حسن کے سر تھی، چند سالوں میں اس جمعیۃ کے زیرِ اہتمام مراد آباد وغیرہ میں جو جلسے منعقد ہوئے اور جس طرح ہندوستان کی منتشر مسلم آبادی آپس میں جڑنا شروع ہوئی اس کا ردعمل وائسریگل لاج کے اندر محسوس ہوُا اور نئے سرے سے فتنہ سامانی شروع ہوگئی۔ اسی دَوران مسجد کانپور کا حادثہ پیش آیا، طرابلس وبلقان کے خونچاں واقعات نے پوری ملت کو خستہ جاں کر دیا اور پھر ریشمی رومال کے حوالہ سے پورے ہندوستان کے قائدین اور کارکنوں کی گرفتاری نے اس خطہ ارضی کو سراپا احتجاج بنا دیا ــــ تا آنکہ جنگ عظیم اوّل نے ساری بساط الٹ دی اور خلافت ترکیہ کے پلیٹ فارم کی زبوں حالی کا سنگین صدمہ ارباب نظر کو برداشت کرنا پڑا۔ ان حوادث سے ارباب دانش کو جب ذرا سی فرصت ملی تو انہوں نے ترجیح کے طور پر سب سے پہلے مسلمان قوم کی وحدت واجتماعیت اور شعائر دین کے معاملہ میں اس کے احساسات کو بیدار کرنے کی راہیں تلاش کرنا شروع کیں خدا لگتی بات یہ ہے کہ اس سلسلہ میں جو ہاتھ سب سے زیادہ متحرک نظر آتا ہے وہ مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم کا ہے جس کی مکمل وبھرپور سرپرستی شیخ الہند مولانا محمود حسن فرما رہے تھے اور شیخ الہند کے حوالہ سے جمعیۃ علماء ہند کا سواد اعظم ان کی پشت پناہی کر رہا تھا۔

یہ حضرات قرآن وسنت کے نمائندہ وترجمان ہونے کی حیثیت سے اس بات سے خوب اچھی طرح واقف تھے کہ مسلم قوم کی بدنظمی، انتشار اور عدم وحدت کن مصائب کا باعث بنتی ہے اور پھر اپنے فرائض کے حوالہ سے اس انتشار کو ختم کر کے رشتۂ انسلاک کا اہتمام بھی انہی کی ذمہ داری تھی ــــ افسوس کہ اس مبارک اسٹیج میں امت مسلمہ اور بالخصوص علماء کو ایک شدید دھچکا لگا ــــ اور وہ تھا مولانا محمود حسن کا حادثہ وفات۔

مولانا ابوالکلام آزاد جمعیۃ علماء ہند کے تیسرے سالانہ اجلاس منعقدہ ۱۷، ۱۸، ۱۹ ربیع الاول ۱۳۴۰ھ (۱۸، ۱۹، ۲۰ نومبر ۱۹۲۱ء) بمقام لاہور کے خطبہ صدارت (تحریری) میں فرماتے ہیں:

حضرات، اس تمہید کے بعد میں بالکل آمادہ تھا کہ مقاصد ومطالب کا سفر شروع کروں لیکن اچانک غمگین حادثہ کی یاد نے میرے قدم روک دئے۔ آپ کی اس جمعیۃ کا گذشتہ اجلاس مجمع علماء ہند کے جس بزرگ ومحترم بزرگ کی رہنمائی وصدارت میں منعقد ہوا تھا آج وہ ہم میں نظر نہیں آتا اور اس کی موجودگی کی برکتوں سے محروم ہوگئے ہیں، میرا اشارہ حضرت مولانا محمود حسن کی ذات گرامی کی جانب ہے اور میں یقین کرتا ہوں کہ آج آپ میں سے ہر فرد کو ان کی یاد دعوتِ غم دے رہی ہوگی ان کی وفات بلاشبہ ایک قومی ماتم ہے اور سب کو ان کی یاد کی عزت میں چند لمحوں کیلئے رُک جانا چاہئے حضرات مولانا مرحوم ہندوستان کے گذشتہ دَور کے علماء کی آخری یادگار تھے ان کی زندگی اس زمانہ حرمان وفقدان میں علماء حق کے اوصاف وخصائل کا بہترین نمونہ تھی اُن کا آخری زمانہ جن اعمال حقہ میں بسر ہوُا وہ علماء ہند کی تاریخ میں ہمیشہ یادگار رہیں گے۔ ستر برس کی عمر میں جبکہ اُن کا قد اُن کے دل کی طرح اللہ کے آگے جھک چکا تھا عین جوار حرم میں گرفتار کئے گئے اور کامل تین سال تک جزیرہ مالٹا میں نظر بند رہے یہ مصیبت انہیں صرف اس لئے برداشت کرنا پڑی کہ اسلام وملت اسلام کی

تباہی وبربادی پر ان کا خدا پرست دل صبر نہ کر سکا اور انہوں نے اعدائے حق کی مرضات واہوا کی تسلیم واطاعت سے مردانہ وار انکار کر دیا۔ فی الحقیقت انہوں نے علماء حق وسلف کی سنت زندہ کر دی اور علماء ہند کے لئے اپنی سنت حسنہ یادگار چھوڑ گئے وہ اگرچہ اب ہم میں موجود نہیں ہیں لیکن اُن کی روحِ عمل موجود ہے اور اس کے لئے جسم کی طرح موت نہیں۔

(خطبہ صدارت ص۱۸ مطبوعہ اسلام آباد)

مولانا آزاد شیخ الہند سے کس درجہ متاثر تھے اس لئے یہ سطور جو ابھی آپ نے سماعت فرمائیں کافی ہیں لیکن میں ذرا سی دیر کے لئے آپ کو ماہنامہ میثاق کے شمارہ مارچ ۸۳ء کے حوالہ سے وہ نوٹ بھی سُنانا چاہتا ہوں جو مولانا کی تفسیر ترجمان القرآن میں سورۂ توبہ آیت ۴۹ کے ضمن میں لکھا گیا ہے:۔

احادیث مبارکہ کے مطابق نبی مکرم علیہ السلام کے سفر تبوک کے موقعہ پر جدن قیس نامی منافق سردار نے بلطائف الحیل اجازت لے کر مدینہ میں رہنا چاہا اس کا تذکرہ اس آیت میں ہے کہ "ائذن لی ولا تفتنی" مجھے اجازت دے دیں اور فتنہ میں مبتلا نہ کریں ــــ مولانا کا بے باک لیکن محتاط قلم حرکت میں آتا ہے اور لکھتا ہے:

غور کرو گے تو نفاق کی یہ خصلت آج بڑے بڑے مدعیان علم وشخصیت میں بولتی نظر آئے گی جھوٹی دینداری اور وہمی پرہیزگاری نے سعی وعزم کی تمام راہیں ان پر بند کر دی ہیں اور وہ ساعی ہیں کہ امت پر بھی بند کر دیں۔ ۱۹۱۴ء کی بات ہے مجھے خیال ہوا کہ ہندوستان کے علماء ومشائخ کو عزائم ومقاصد پر توجہ دلاؤں۔ ممکن ہے چند اصحاب رشد وعمل نکل آئیں چنانچہ میں نے اس کی کوشش کی لیکن ایک تنہا شخصیت کو مستثنیٰ کر دینے کے بعد سب کا متفقہ جواب یہی تھا کہ یہ دعوت ایک فتنہ ہے ائذن لی ولا تفتنی۔ یہ مستثنیٰ شخصیت مولانا محمود حسن دیوبندی کی تھی جو اب رحمت الٰہی کے جوار میں پہنچ چکی ہے۔

بہرطور علماء ربانیین بالخصوص مولانا آزاد نے اس طرف جو توجہ کی اس کا سبب بڑا واضح تھا انہوں نے اسی خطبہ صدارت میں جس کا ذکر اوپر ہوا، مسلمانوں کی اس خطہ میں دس کروڑ سے زائد آبادی کو ایک ایسی بھیڑ کا نام دیا جو ہندوستان کی آبادیوں میں بکھری ہوئی ہے، ایک ایسا گلہ جس کا کوئی چرواہا نہیں اور پھر زور دے کر کہا:

یقیناً ایک حیات غیر شرعی جو یقیناً جاہلی ہے جس میں پوری اقلیم جلا ہو گئی ہے۔

انہوں نے ایک اعلان کے ذریعہ جو تحریری طور پر سارے ہندوستان میں پھیلایا گیا مسلمان قوم کی مصیبت، و نامرادی کا بنیادی سبب نظم جماعت کے فقدان کو بتلایا اور واضح کیا کہ کسی "آمر و نافذ شرع اور کسی صاحب امر وسلطان دفاع" کے بغیر یہ سیاہ رات ختم نہ ہوگی۔

وہ خطبہ صدارت میں فرماتے ہیں کہ حیات انفرادی کے بجائے حیات اجتماعی کو جب تک اپنایا نہ جائے گا۔ اس وقت تک بات نہ بنے گی ــــ ان کے نزدیک یہی اصل واساس کار تھی اور تمام مقاصد اصلاح اور مصالح انقلاب کا نفاذ وظہور اسی کے قیام و وجود پر موقوف تھا۔

ان احساسات وجذبات کی بنیاد قرآن وسنت کا وہ نکھرا ہوا ذوق تھا جو اللہ تعالیٰ نے ان پر حال کار کو ودیعت فرمایا تھا۔ ان کا کہنا یہ تھا اور بالکل بجا کہ:

- اسلام نے مسلمانوں کے تمام اعمال حیات کے لئے بنیادی حقیقت یہ قرار دی ہے کہ وہ متفرق، فرادی اور الگ الگ نہ ہوں بلکہ مجتمع، متحد اور کنفس واحدہ ہوں۔
- قرآن وسنت میں وحدت واجتماع پر زور دیا گیا ہے اور کفر وشرک کے بعد تفرقہ وتشتت سے سب سے زیادہ روکا گیا ہے۔
- عقیدۂ توحید سے لے کر تمام عبادات و اعمال تک یہی حقیقت مرکزیہ جلوہ طرازی کر رہی ہے۔
- اور علیکم بالجماعۃ والسمع والطاعۃ، نیز علیکم

بالجماعۃ فان الشیطٰن مع الفذ وھو من الاثنین ابعد،

اور امرکم بخمس بالجماعۃ، والسمع والطاعۃ، والھجرۃ والجہاد فی سبیل اللہ وغیرہ ارشادات نبوی اتنے واضح تھے کہ ان سے صرف نظر کرنا ناممکن نہ تھا۔

اور جو حضرات یہ کہتے تھے کہ آج ہماری حکومت نہیں ہے ہم پنجۂ استبداد کا شکار ہیں نظم جماعت اور امارت شرعیہ کی بات عجیب سی لگتی ہے، انہیں مولانا ماضی کی طرف لے جاتے ہیں اور یاد دلاتے ہیں کہ جو فتنہ آج یورپ سے اُٹھا ہے چھٹی صدی ہجری میں بعینہٖ یہی فتنہ بلاد تاتار و چین سے اٹھا تھا تمام بلادِ شرقیہ اسلامیہ کا اس وقت بھی یہی حال تھا جو آج ہے لیکن:

اس عہد کے علماء نے پہلا کام یہ کیا کہ جن بلاد پر تاتاریوں کا قبضہ و استیلاء ہو گیا تھا وہاں تنظیم جماعت اور قیامِ شرع کے لئے ولاۃ مسلمین کے نصب و تقرر کا حکم دیا......

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے انہیں بلاد محکومہ تاتار کے لئے فتویٰ دیا کہ وہاں کے مسلمانوں کو ابداً اس کفر پر قانع نہیں ہونا چاہئے اور ایک لمحہ بھی بغیر کسی امام کے بسر نہیں کرنا چاہئے یا تو وہاں سے ہجرت کر جائیں اور یا ایک امیر نصب کر کے اپنے فرائض شرعیہ انجام دیں۔ (خطبہ ص۱۱۲)

چنانچہ ۹ر دسمبر ۱۹۲۱ء کو اس سلسلہ میں سب کمیٹی کا جلسہ بدایوں میں منعقد ہوا جس میں مولانا مفتی محمد کفایت اللہ، مولانا محمد فاخر الہ آبادی، مولانا عبدالماجد بدایونی، مولانا محمد سجاد بہاری، مولانا عبدالحلیم صدیقی، مولانا سبحان اللہ اور مولانا مرتضیٰ حسن چاندپوری کے ساتھ ساتھ علامہ سید سلیمان ندوی، حکیم اجمل خان وغیرہ بھی خصوصی دعوت پر شریک ہوئے۔

اس کمیٹی نے امیر الشریعت فی الہند کے فرائض و اختیارات سے متعلق ایک رپورٹ مرتب کر دی جبکہ ابوالمحاسن سجاد رحمہ اللہ تعالیٰ نے نظام نامہ مرتب کر کے پیش کر دیا۔ یہ تمام تفصیلات "قومی ادارہ برائے تحقیقِ تاریخ و ثقافت اسلام آباد" کی مرتبہ کتاب جمعیۃ علما ہند کی جلد اول میں "ضمیمہ ب" کے طور پر موجود ہیں۔

جہاں تک منصبِ امامت کے خصائص کا تعلق تھا مولانا آزاد مرحوم مسئلہ خلافت وغیرہ میں بڑی وضاحت سے اس کو ذکر کر چکے تھے ــــ ایک اقتباس ملاحظہ فرمائیں:

ایک صاحبِ نظر و اجتہاد دماغ کی ضرورت ہے جس کا قلب کتاب و سنت کے غوامض سے معمور ہو وہ اصول شرعیہ کو مسلمانان ہند کی موجودہ حالت پر...... ایک ایک لمحے کے اندر متغیر نہ ہو جانے والے حوادثِ جنگ و صلح پر ٹھیک ٹھیک منطبق کرنے اور پھر تمام مصالح و مقاصد شرعیہ و ملیہ کے تحفظ و توازن کے بعد فتویٰ شرع صادر کرتا رہے ــــ اور ــــ آج ایک ایسے عازم امر کی ضرورت ہے جو وقت اور وقت کے سرو سامان کو نہ دیکھے بلکہ وقت اپنے سارے سامانوں کے ساتھ اس کی راہ تک رہا ہو مشکلیں اس کی راہ میں غبار و خاکستر بن کر اڑ جائیں اور دشواریاں اس کے جولانِ قدم کے نیچے خس و خاشاک بن کر پس جائیں وہ وقت کا مخلوق بند ہو کہ وقت کے حاکموں کی چاکری کرے وہ وقت کا خالق و مالک ہو اور زمانہ اس کی جنبشِ لب پر حرکت کرے۔ اگر انسان اس کی طرف سے گردن موڑ لیں تو وہ خدا کے فرشتوں کو بلا لے۔ اگر دنیا اس کا ساتھ نہ دے تو وہ آسمانوں کو اپنی رفاقت کے لئے نیچے اُتار لے، اس کا علم نبوت سے ماخوذ ہو اس کا قدم منہاج نبوت پر استوار ہو اس کے قلب پر اللہ تعالیٰ حکمت رسالت کے تمام اسرار و غوامض اور معالجہ اقوام اور طبابت عہد و ایام کے تمام سرائر و خفایا اس طرح کھول دے کہ وہ صرف ایک صحیفہ کتاب و سنت اپنے ہاتھ میں لے کر دنیا کی ساری مشکلوں کے مقابلے اور ارواح و قلوب کی ساری بیماریوں کی شفا کا اعلان کر دے ــــ وما ذالک علی اللہ بعزیز

مولانا آزاد اور دوسرے حضرات کی نظرِ اس "عازم و فاتح وقت" کے سلسلے میں شیخ الہند مولانا محمود حسن پر تھی۔ شیخ الہند برعظیم کی سب سے بڑی علمی تحریک یعنی تحریک دیوبند کے پہلے باقاعدہ شاگرد اور اس تحریک کے بانی و مؤسس مولانا محمد قاسم نانوتوی کے ساتھ وقت کے دیگر رجال کار مولانا رشید احمد گنگوہی وغیرہ کے براہ راست فیض یافتہ تھے۔ انگریز کا عروج انہوں نے خود دیکھا تھا۔ اس نے علماء اور رؤسا کے ساتھ ساتھ عام مسلمانوں پر جو ستم ڈھائے تھے ان کا بچشم خود مشاہدہ کیا تھا اور ماقبل حالات اپنے اساتذہ سے سُنے تھے اپنے استاذ اکبر مولانا نانوتوی کی یادگار مدرسہ دیوبند کے وہ صدر مدرس تھے۔ حضرت الامام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے بعد اتنی بڑی عظیم شخصیت بطور شاگرد انہی کی نظر آتی ہیں۔ مولانا سید حسین احمد مدنی، مولانا عبیداللہ سندھی، علامہ محمد انور شاہ، مولانا مفتی کفایت اللہ، مولانا منصور انصاری، مولانا شبیر احمد عثمانی، مولانا اشرف علی تھانوی، مولانا احمد علی لاہوری، مولانا محمد صادق کراچوی، مولانا عزیز گل اور مولانا مرتضیٰ حسن چاندپوری وغیرہ ذالک۔

پھر اس دَور کی فعال اور مخلص مسلم قیادت مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا حسرت موہانی، مولانا محمد علی جوہر، حکیم اجمل خان، ڈاکٹر انصاری، نواب مشتاق حسین، وقار الملک وغیرہ سے نہ صرف ان کے تعلقات تھے بلکہ یہ سب حضرات ان کو اپنا مربی تسلیم کرتے۔ باقی الہ آباد، فرنگی محل، بدایوں اور امرتسر کے مختلف الفکر علماء کرام ان کی قیادت پر پوری طرح مجتمع تھے۔ ۱۹۱۴ء میں مولانا آزاد نے مولانا سندھی کے توسط سے اور بعض حضرات سے خود مل کر معاملات طے کرنا چاہے لیکن شیخ الہند کے سفرِ حجاز اور جنگ عظیم اول کے سبب یہ کام کھٹائی میں پڑ گیا۔ اسارت مالٹا کے بعد شیخ الہند جلد وفات پا گئے۔

تو اب پھر ایک عازم و فاتح وقت کی جستجو شروع ہوئی ــــ شیخ الہند ان زندگی کے آخری ایام میں جبکہ وہ سفر وغیرہ سے بالکل معذور ہو کر بھی پالکی میں حیات اجتماعی کی غرض سے لکھنؤ، دلی، علی گڑھ وغیرہ مارے مارے پھر رہے تھے۔ انہوں نے مولانا آزاد کی امارت کو علی وجہ البصیرت وقت کی ضرورت قرار دیا، فرنگی محل کے صاحب سجادہ مولانا عبدالباری بھی بالآخر راضی ہو گئے لیکن یہ المیہ ہے کہ مولانا معین الدین اجمیری نے مخالفانہ آواز اُٹھائی۔ پھر بدایوں وغیرہ سے شیخ الاسلام کی آوازیں اُٹھنے لگیں، ایسا شیخ الاسلام جو انگریز نامزد کرے اور مسلمانوں کے معاملات معاشرتی کا فیصلہ کرے ــــ گویا اسی عطار کے لونڈے سے دوا لینے کی تدبیر ہونے لگی جو ملت کی بیماری کا باعث بنا تھا۔ بدایونی کی آواز کو قوت سید سلیمان ندوی سے بھی ملی جو مولانا آزاد کے رفیق قدیم اور جمعیۃ علماء ہند کے اجلاس کلکتہ ۱۹۲۶ء کے صدر بھی ہو چکے تھے۔ لیکن وہ فرنگی چھتری تلے شیخ الاسلام کی بات کر رہے تھے۔ شیخ الہند کا جو باقاعدہ حلقہ تھا وہ ہر طرح مولانا آزاد کو اہل پاتا تھا۔ چنانچہ مولانا مناظر احسن گیلانی کے ایک مکتوب سے پتہ چلتا ہے کہ مولانا سید محمد انور شاہ، مولانا شبیر احمد عثمانی اور مولانا حبیب الرحمٰن مہتمم دارالعلوم دیوبند سب مولانا کی امارت سے متفق تھے لیکن جیسا کہ عرض کیا گیا مولانا معین الدین اجمیری نے بہت ہنگامہ کیا حتیٰ کہ مولانا عبدالباری فرنگی محلی پر اثر انداز ہو کر ان کی رائے تک تبدیل کر ڈالی اور ان کے زیر اثر ان کے مرید باصفا مولانا محمد علی جوہر بھی ابوالکلام سے ایسے الرجک ہوئے کہ الامان۔

میں بڑے دکھی دل کے ساتھ یہ بات کہہ سکتا ہوں کہ اس ضمن میں جتنے لٹریچر کا میں نے مطالعہ کیا ہے، اس کے نتیجہ میں سوائے اس کے کہ ارباب علم کے معاصرانہ جذبات اور حسد باہمی کو اس عظیم تجویز کی بربادی کا باعث قرار دوں اور کوئی بات میری سمجھ میں نہیں آتی۔

شیخ الہند نے شدید علالت کے دَوران جمعیۃ علماء ہند کے دوسرے جلسہ ۱۹، ۲۰، ۲۱ نومبر ۱۹۲۰ء بمقام دہلی کی صدارت بھی فرمائی تھی اور خطبہ صدارت بھی ارشاد فرمایا تھا۔ بقول مولانا

محمد میاں :

بیماری و نقاہت کے سبب
تھوڑی دیر سٹیج پر بیٹھنا دشوار تھا۔

لیکن اس اجلاس کے اہم ترین ایجنڈا یعنی امیر الہند کے انتخاب کے سلسلے میں ان کے احساسات یہ تھے :

کہ میری چارپائی اٹھا کر جلسہ گاہ میں لے جائی جائے اور یہ کام کر لیا جائے پہلا شخص جو بیعت کرے گا میں ہوں گا ۔
(تاریخ امارت ص۵۲)

لیکن اطباء اور معالجین نے اس مسئلہ کو ملتوی کرایا تا کہ صحت بحال ہو جائے پھر قوم کی اجتماعی صحت بگڑتی ہی چلی گئی شیخ الہند اللہ کو پیارے ہو گئے اور بات الجھ کر رہ گئی شیخ الہند وہ بزرگ تھے جن کے متعلق امیر امان اللہ خان والی افغانستان نے پارلیمنٹ میں کہا تھا کہ :

محمود حسن ایک نور ہے جس
کی روشنی میں ہم بہت کچھ دیکھ
سکتے ہیں ۔

اور ترکی وزیر جمال پاشا نے جب مدینہ منورہ میں آپ سے ملاقات کی تو اس نے کہا :

ان مختصر سی ہڈیوں میں کسقدر
دین و سیاست بھری ہوئی ہے
اس کا اندازہ کرنا آسان نہیں ۔

جبکہ برطانوی حکومت کے نہایت ذمہ دار رکن سر جیمس گورنر یوپی نے کہا :

اگر محمود حسن کو جلا کر راکھ
بھی کر دیا جائے تو اس کی راکھ
بھی انگریزوں سے کترا کر گزرے گی۔

اس وجود مبارکہ کا دنیا سے اٹھ جانا معمولی حادثہ نہ تھا۔ خشیت الٰہی کے سامنے ہر مسلمان کا سر تسلیم خم ہے اور اس پر نہ گلہ ہے نہ شکوہ بلکہ حدیث نبوی کے مطابق اس صدمۂ عظیم پر آج بھی انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھنا ضروری ہے لیکن جو بات سب سے زیادہ رنج الم کا باعث ہے وہ ہے اس منصوبہ کا زیر و زبر ہونا جو اگر اصلی شکل میں سامنے آجاتا تو برعظیم کا رنگ کچھ اور ہوتا اور آج ہندوستان کی سرزمین میں مسلمان کا وجود اور ادھر دانشوران بے ننگ و نام کے ہاتھوں ان کا عقیدہ و دین معرض خطر میں ہونا۔

مرکزی سطح پر جب نقشہ نہ ابھر سکا تو مخلص حضرات نے اپنے اپنے مقام پر اس سلسلہ میں جہد و سعی شروع کر دی کیا عجب کہ یہی سلسلہ آگے چل کر نظم باہمی کا سبب بن جائے اس سلسلہ میں جہاں تک میری نظر پڑتی ہے دو صوبے ایسے ہیں جہاں کام کی ابتدا ہوئی یعنی بہار و اڑیسہ اور پنجاب ۔ ان میں اولیت کا سہرا بہار و اڑیسہ کے سر ہے اور اس میں در اصل روح عمل کار فرما تھی مولانا ابوالمحاسن سجاد رحمہ اللہ تعالیٰ کی۔ جو ایک وقت میں جمعیۃ العلماء ہند کے ناظم عمومی رہے، ایسی خوبیوں اور کمالات کے لوگ کم ہی پیدا ہوتے ہیں۔ بقول مولانا عبدالماجد دریا بادی :

مولانا سجاد کی ذات وقت کی بہت
مغتنم ہستیوں میں تھی علماً بھی عملاً
بھی، فکر و نظر کی رسائیوں کے لحاظ
سے بھی، اخلاص و ایثار کی گہرائیوں
کے لحاظ سے بھی۔

یہی مولانا سجاد بہار میں اس کا باعث بنے اور انہوں نے سوچا کہ ہم جتنا کچھ کر سکتے ہیں کر گذریں، ندوۃ العلماء کے بانی مولانا محمد علی مونگیری رحمہ اللہ تعالیٰ کے خلف الرشید مولانا حبیب اللہ رحمانی آج بھی وہاں نائب امیر شریعت کے فرائض سرانجام دے رہے ہیں ۔ اور رحمانی سلسلہ کے ایک بزرگ مولانا عبدالصمد نے تاریخ امارت میں پھلواری شریف (بہار) کے اجلاس مارچ ۱۹۲۱ء کا ذکر کیا ہے جس میں ابتدائی تجویز پیش ہوئی پھر جون ۱۹۲۱ء میں صدہا علمائے کرام کا اجلاس مولانا آزاد کی صدارت میں منعقد ہوا۔ مولانا شاہ امیر شریعت اور مولانا سجاد نائب قرار پائے۔ ان تمام حضرات بالخصوص مولانا سجاد کو مولانا آزاد نے زبردست خراج تحسین پیش کیا اور سچ پوچھیں تو اس محنت کا سہرا مولانا سجاد کے سر یا پھر مولانا آزاد کے سر جنہوں نے رانچی (بہار) کی نظر بندی کے دوران ان حضرات سے رابطہ قائم کر کے ان کام کی بنیاد فراہم کی۔

میری معلومات کی حد تک تقسیم ملک تک بہار و اڑیسہ کے سوا کسی دوسری جگہ یہ نظم صوبائی سطح پر قائم نہ ہو سکا

بعض انفرادی واقعات اپنی جگہ ہیں تاہم تازہ معلومات کے بعد اب دوسرے صوبوں میں ایسی کوششیں بار آور ہونے لگی ہیں اور بہار میں تو الحمد للہ مسلمانوں کی اس معاملہ میں بے پناہ خدمت ہو رہی ہے۔

ادھر لاہور میں ۱۹۲۶ء میں مولانا احمد علی قدس سرہٗ کی انجمن خدام الدین کا سالانہ جلسہ ہوا تو اس میں پانصد سے زائد علماء کرام شریک تھے۔ ان میں علامہ انور شاہ، مولانا حبیب الرحمٰن دیوبندی، مولانا شبیر احمد عثمانی، مولانا حسین علی واں بھچراں، مولانا محمد یوسف بنوری، مولانا ظفر علی خاں اور السید عطاء اللہ شاہ بخاری جیسے حضرات موجود تھے اس جلسہ کے موقعہ پر علامہ اقبال مرحوم نے غایت درجہ عقیدت مندی کے ساتھ علامہ انور شاہ کو اپنے گھر دعوت دی جسے شاہ صاحب نے قبول فرمایا اور پھر علامہ سے ان کے مسلسل تعلقات رہے بلکہ بعض وجوہ محدث کاشمیری علامہ کے محسن قرار پائے ۔ اسی جلسہ کے موقعہ پر سر شفیع نے علامہ شبیر احمد عثمانی کی تقریر سن کر کہا کاش میری ماں نے مجھے اس درسگاہ میں بغرض تعلیم بھیجا ہوتا جس میں مولانا عثمانی نے تعلیم حاصل کی ہے — بہر حال اس جلسہ کے موقعہ پر انہی ملی مقاصد کے لئے السید عطاء اللہ شاہ بخاری کو حضرت مولانا انور شاہ کی تحریک پر امیر شریعت قرار دیا گیا۔ اور پہلی بیعت شاہ صاحب سے خود کی۔ اس حلقہ کو قادیانی فرقہ سے نبرد آزما ہونا پڑا اور پورا پنجاب و کشمیر جو بوجوہ قادیانیت کی زد میں تھا امیر شریعت اور ان کے رفقاء کے سبب بفضل اللہ اس فتنہ سے بچا جبکہ اصلاح عقائد و رسوم معاشرت و معاملات کا بھی وسیع پیمانے پر کام ہوا جس کی تاریخ مرتب ہونا ضروری ہے ۔

حضرات گرامی ! اس طویل سمع خراشی کی معافی چاہتے ہوئے آخر میں اتنی بات عرض کرنا ضروری ہے کہ آپ نے ملاحظہ فرما لیا کہ مسلم معاشرہ کی شیرازہ بندی، اجتماعیت اور نظم جماعت کتنی ضروری ہے؟ یہ نماز و روزہ کی طرح کا فرض بلکہ اس سے کہیں زیادہ اہم ذمہ داری ہے ۔ لیکن یہ معاملہ جتنا اہم ہے اتنے ہی ہم اس سے غافل ہیں۔ ایک مسلم ملک میں مخصوص مقاصد کے لئے درجنوں پارٹیوں کا ہونا۔ پھر ہر پارٹی کے اندر دو دو تین تین شاخیں یہ اس امت کے لئے اتنا بڑا عذاب و ابتلا ہے جس کا وہ لوگ تو اندازہ کر سکیں گے ۔ جن کی قرآن سنت پر کسی قدر نظر ہے۔ باقی جہاں تک عوام کا تعلق ہے وہ کماحقہٗ نہ اس کی اہمیت سے واقف اور نہ اس کے فقدان سے پیدا ہونے والے برے اثرات سے آگاہ — اور جیسا کہ میں نے کہا مخصوص مقاصد کے تحت پارٹی بازی اور وہ مقاصد بھی انتہائی گھٹیا — یہ بات کسی مسلم معاشرہ کو زیب نہیں دیتی۔ ایک مسلم معاشرہ میں حزب اللہ اور حزب الشیطان کے بعد کوئی تقسیم نہیں ۔ مدارس و مسالک کی بنیاد ہو یا کوئی دوسری بنیاد، اس پر امت کی تقسیم و تشتت اللہ تعالیٰ کے غضب کا موجب ہے جو آج مسلسل بے چینی و اضطراب کی شکل میں ہم پر مسلط ہے۔

اس لئے ضرورت ہے کہ ارباب دانش و بینش اصحاب حوصلہ و ہمت اور قرآن و سنت کے غوامض و اسرار سے واقف حضرات ملت کی کشتی کو کنارے لگانے اور اس کو بھنور سے نکالنے کی تدبیر کریں، سر جوڑیں ایک "عازم و فاتح وقت" کی قیادت کو اپنا کر طاغوت کی ہر پسندیدہ و ناپسندیدہ شکل سے لڑ جائیں اور اس وقت تک چین سے نہ بیٹھیں جب تک یکون الدین کله لله کی کیفیت پیدا نہ ہو جائے۔ مسلمان قوم تمام تر جدید مادی مادی وسائل سے لیس ہو لیکن اسے نفس مطمئنہ نصیب ہو وہ قلب غافل کی بجائے انابت و رجوع الی اللہ کی نعمت سے مالا مال ہو وہ باللیل اور بالنہار کی سرمدی حقیقت کو پا کر اس پر عامل ہو جائے تو اس کا سر بلند ہو سکتا ہے، اس دنیا میں بھی اور آنے والی دنیا میں بھی۔ لیکن اس کے بنیادی شرط وحدت و نظم جماعت ہے کج کلاہی گوشوں میں اسلام اور اسلامی افکار کی ترویج کی بات اپنے اندر جتنی حقیقت لئے ہوئے ہے اس سے مجھے کوئی سروکار نہیں کہ اس سے ہر شخص واقف و آگاہ ہے۔ میرا پیغام صرف اتنا ہے کہ اعتصام بحبل اللہ کے قرآنی حکم پر عمل پیرا ہو کر حزب اللہ کی سنہری زنجیر میں پرو دیا جانا ہماری ضرورت ہے — اور دیکھنا یہ ہے کہ اس آوازۂ حق پر کون کان دھرتا ہے؟

حضرت شیخ سے میرا تعلق

اور

حضرت کی تعلیمات

صوفی محمد اقبال ہوشیارپوری

حضرت الشیخ رحمہ اللہ تعالیٰ کے انتہائی عزیز خلیفہ اور دیارِ یورپ میں حضرت کے حکم سے عظیم الشان دارالعلوم "العربیۃ الاسلامیۃ ہولکمب بری انگلینڈ" قائم کرنے والے حضرت مولانا یوسف متالا صاحب کے دارالعلوم سے شیخ کے قریبی صاحب تعلق اور خلیفہ صوفی محمد اقبال صاحب مہاجر مدنی کو ایک سوالنامہ ارسال کیا جس کے جواب کی ایک نقل ہمیں میسّر آ گئی۔ اس میں بڑی قیمتی باتیں سامنے آ گئی ہیں اس لیے بصد شکریہ پیشِ خدمت ہے —— (ادارہ)

◎

سوالات

(۱) مکمل اسمِ گرامی، پتہ، فون نمبر

(۲) آپ کی تاریخِ پیدائش، بچپن کی تعلیم و تربیت، اعلیٰ دینی تعلیم، تعلیم سے فراغ، نکاح، اولاد دینی خدمت کا آغاز، موجودہ مشغلہ، اب تک کی آپ کی زندگی کے خصوصی و اہم احوال، مختصر طور پر تحریر فرماویں۔

(۳) آپ کے علاقہ کی مختصر دینی صورتِ حال۔

(۴) آپ نے حضرتؒ کو کس عمر سے جانا؟ سب سے پہلے حضرتؒ کی زیارت کہاں اور کیسے ہوئی؟ مفصّل واقعہ کی صورت میں تحریر فرمائیں۔

(۵) حضرتؒ سے بیعت و اصلاحی تعلق کی کیا شکل ہوئی۔ کیا آپ حضرت شیخ نور اللہ مرقدہٗ سے بیعت ہونے سے قبل کسی اور سے وابستہ تھے یا براہِ راست حضرت ہی سے ابتداءً بیعت ہوئے۔ بہر صورت حضرت سے تعلق جوڑنے کا واقعہ تفصیلاً تحریر فرماویں۔

(۶) مختلف مشائخ میں سے آپ نے حضرت نور اللہ مرقدہٗ کو کیوں اور کیسے منتخب کیا اور ان کے دامنِ تربیت سے وابستگی کے لیے کیا اسباب و محرکات پیش آئے؟

(۷) بیعت بالمشافہ ہوئے یا خط سے پہلی صورت میں بیعت کا واقعہ یا قصّہ یاد ہو اور بیعت کے وقت حضرت نے کوئی خصوصی نصیحت فرمائی ہو تو تحریر فرماویں اور خط سے بیعت کی صورت میں خط کی فوٹو کاپی یا نقل آسانی سے بھیج سکیں تو ضرور بھیجیں۔

(۸) بیعت کے بعد اصلاح و تربیّت کے سلسلہ میں حضرت سے جو خط و کتابت ہوئی ان مکاتیب میں سے جن مکاتیب کی اشاعت سالکانِ طریقت و تصوّف کے لیے مفید ہو وہ مکاتیب یا ان کے اقتباسات نقل کر کے ارسال فرماویں۔

(۹) حضرت نور اللہ مرقدہٗ کے یہاں مشہور تھا کہ جب حضرت کی طرف سے ڈانٹ پڑتی تھی، تو وہ خصوصی توجہات کا پیش خیمہ ہوتی تھی۔ اس طرح کے واقعات آپ کے ساتھ پیش آتے ہوں یا آپ کے سامنے اور کسی کے ساتھ پیش آتے ہوں، تو اسے تحریر فرماویں۔

(۱۰) حضرتِ اقدس قدس سرّہٗ کی طرف سے خصوصی خدّام و متعلقین پر روحانی عطایا کے ساتھ مادی و مالی ہدایا کی بارش رہا کرتی تھی اس طرح کی خصوصی شفقتیں آپکے ساتھ رہی ہوں تو اسے بھی تحریر فرماویں۔

(۱۱) حضرتِ اقدس نوّر اللہ مرقدہٗ کا اندازِ تربیّت ہر شخص کے مزاج کے اعتبار سے ہر ایک سے الگ الگ نوعیّت کا رہا؟ نیز حضرت سے تعلق قائم کرنے کے بعد معمولات میں زیادتی و ترقی کیسے ہوئی؟ آپ کے معمولات کے سلسلہ میں حضرت کی طرف سے جو ہدایات زبانی یا بذریعہ خطوط آپ کو ملی ہوں ان سب احوال کو بسط کے ساتھ تحریر فرماویں۔ بالخصوص اپنے حضرت سے امراضِ قلب کے علاج کے متعلق دریافت کیا ہو اور حضرتؒ نے کوئی علاج تجویز فرمایا ہو اسے بھی ضرور نقل فرما کر ارسال فرماویں۔

(۱۲) حضرت کی طرف سے آپ کو خلافت کب اور کہاں عطا ہوئی اور اس موقع پر کوئی چیز حضرتؒ نے بطورِ یادگار مرحمت فرمائی ہو یا کوئی خاص نصیحت فرمائی ہو تو اسے بھی تحریر فرماویں۔ اور اگر حضرت نوّر اللہ مرقدہٗ کی طرف سے خلافت تحریری ملی ہو تو اجازت نامہ کی نقل ارسال فرماویں۔

(۱۳) حضرتِ اقدس اپنے خلفاء و مجازین کے بارے میں اس کے متمنی رہتے تھے کہ وہ حضرت کے یہاں آنے کے بجائے اپنی اپنی جگہ جم کر بیٹھیں اور کام میں لگیں اس سلسلہ میں آپ کو بھی خصوصی ہدایت فرمائی ہو تو اسے بھی تحریر فرماویں۔

(۱۴) حضرت نور اللہ مرقدہٗ کو تصنیفی و تالیفی ذوق بہت زیادہ تھا۔ اس سلسلہ میں کیا حضرتؒ نے آپ کو کسی کتاب کی تالیف کا اپنی طرف سے حکم فرمایا یا حضرت نے آپ کے مشورہ طلب کرنے پر کسی تصنیف کی اجازت فرمائی ہو یا مسرّت کا اظہار فرمایا ہو تو اس کی تفصیل تحریر فرمائیں۔

(۱۵) کبھی مخصوص مواقع پر حضرت اپنے خصوصی احباب اور متوسلین کو اہلِ حق کی جماعتوں اور جمعیتوں کے ساتھ مل کر اہلِ باطل کی تحریکات و سازشوں کے خلاف کام کرنے کی طرف متوجہ فرمایا کرتے تھے۔ اس طرح کی کوئی ہدایت تحریری یا زبانی آپ کو ملی ہو تو ضرور تحریر فرماویں۔

(۱۶) حضرتؒ کی خواہش اور تمنّا تھی کہ حضرت کے خلفاء تبلیغی کام میں تعاون فرمائیں اور جگہ جگہ مدارسِ دینیہ و مکاتیب قرآنیہ قائم کریں اس سلسلہ میں کبھی آپ کو ہدایت فرمائی ہو تو اسے بھی تحریر فرماویں۔

(۱۷) مدارسِ عربیہ کے اسلاف کے نقشِ قدم پر چلنے اور صحیح نہج پر طلبہ کی تربیت کرنے اور وقف کے مال میں امانت داری برتنے کی حضرتؒ کے یہاں بہت تاکید رہا کرتی تھی، اگر آپ کو کچھ یاد ہو تو ضرور لکھیں۔

(۱۸) حضرتؒ کی مختلف ادائیں بحالت عبادت و درس و تدریس و بر دستر خوان و بر مسند مشیخت و در مجلس شب بعد عشاء نیز اکابر کے قصّے و تفریحی فقرے و قصّے و اشعار وغیرہ امور میں سے جن چیزوں کو آپ کے حافظہ اور قلم نے محفوظ رکھا ہو اسے وُسعتِ ظرفی کے ساتھ بسط سے لکھیں

تاکہ دیگر عشاق و محبین بھی اس سے محظوظ و مستفید ہوں۔

نوٹ: یہ چند اُمور بطورِ نمونہ از خروارے ہم نے تحریر کیے ہیں۔ ان کے علاوہ مزید جو کچھ آپ تحریر فرمانا چاہیں ضرور لکھیں۔ بالخصوص حضرت نوّراللہ مرقدہٗ کے دیگر خلفار کے جو حالات و اوصافِ عالیہ آپ کے علم میں ہوں تو اُسے بھی ضرور لکھیں۔

جوابات

بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم ط

(۱) محمد اقبال ابن ڈاکٹر خلیل الرّحمٰن مرحوم، ہوشیار پوری۔

پتہ: معرفت پوسٹ بکس ۱۱۹۶ مدینہ منوّرہ سعودی عرب

تاریخِ پیدائش: ۱۹۲۶ء۔

(۲) چونکہ ہمارا خاندان کوئی دینی اور علمی نہیں ہے۔ ایک متوسط درجہ کی دینداری ہے۔ جس کی وجہ سے بچپن میں سرکاری سکول میں داخل کیا گیا اور تیسری جماعت کے دوران قرآن پاک ناظرہ پڑھانے کے لیے حسب رواج مسجد میں ایک مکتب کے سپرد ہوا۔ استاذ صاحب ایک باخدا درویش صفت عالم باعمل حضرۃ علامہ انور شاہ صاحب کشمیری قدس سرّہٗ کے شاگرد اور مرید حضرت مولانا قاری محمد ابراہیم صاحب قدس سرّہٗ تھے۔ جو تعلیم کے ساتھ طلبہ میں دینی جذبات و دینی تربیت کے بڑے حریص تھے۔ چھوٹے بچوں کو تعلیم میں تعلیم الاسلام سے لے کر اُردو، فارسی، عربی کی ابتدائی تعلیم بھی دیتے اور اپنے عمل اور نصائح سے تربیّت بھی فرماتے تھے۔ غالباً دو تین ماہ بعد والدہ مرحومہ کی بیماری کی وجہ سے میں نے مسجد میں جانا چھوڑ دیا۔ جس پر گھر والوں نے کوئی توجہ نہیں کی کہ وہ مسجد میں بٹھلانے کی رسم پوری کر چکے تھے، کیونکہ میری سکول کی تعلیم کے متعلق کسی کو کوئی شکایت نہ تھی، بلکہ سکول کے محنتی اور اچھے طلبار میں شمار تھا۔ اس لیے دینی تعلیم سے محرومی کو گوارا کر لیا گیا۔

اس کے تین سال بعد جبکہ چھٹی کلاس میں پڑھتا تھا، تو خود بخود قرآن پڑھنے اور دینی علم حاصل کرنے کا شوق ہوا اور بطورِ خود حضرت قاری صاحب کے پاس حاضر ہو کر پڑھنا شروع کیا۔ اب انھوں نے پوری توجّہ فرمائی اور اُردو کی دینی کُتب بھی پڑھنے کے لیے دینا شروع کر دیں۔ جس سے مجھ پر دینی جذبات کا خوب غلبہ ہو گیا۔ حتیٰ کہ میٹرک پاس کرنے کے بعد آگے تعلیم حاصل کرنے سے انکار کر دیا۔ اور عالمِ دین بننے کے لیے حضرت مولانا علی میاں صاحب کی خدمت میں ندوۃ العلمار چلا گیا۔ حضرت قاری صاحب کی طرح حضرت مولانا علی میاں صاحب نے بہت ہی خصوصی توجہات سے نوازا اور مجھے بھی ان کے ساتھ عشق کے درجہ میں محبّت ہو گئی۔ لیکن صحت پہلے سے کمزور تھی۔ وہاں چند ماہ کے اندر سخت بیمار ہو گیا۔ حضرت مولانا سے ابتدائی عربی کی کتابیں اور کچھ ترجمہ قرآن پاک اور ریاض الصالحین پڑھتا تھا کہ حضرت مولانا نے میرے اندر اعلیٰ دینی ماحول کی طلب پا کر مجھے دارالعلوم دیوبند چلے جانے کا مشورہ دیا۔ اور حضرت شیخ الفقہ مولانا اعزاز علی صاحبؒ کے نام اپنا سفارشی خط بھی دیا۔ جس نے حضرت مولانا صاحب قدس سرّہٗ کو بہت متوجّہ کر دیا، مگر بدقسمتی سے وہاں بھی بیمار ہی رہتا تھا۔ نورالانوار اور کنزالدقائق تک پہنچا تھا کہ بار بار بیمار ہو جانے کی وجہ سے تعلیم کو ختم کرنا پڑا۔ اب اکابر کی اُردو تصانیف کے پڑھنے کا مشغلہ رہا۔ خصوصاً حضرت تھانوی نوراللہ مرقدہم کی کُتب خُوب پڑھیں۔ اب تک نماز، روزے کے ایک عام آدمی کی طرح پوری زندگی گزر چکی۔ اب خاتمہ کا منتظر ہوں۔ اللہ تعالیٰ مغفرت اور حُسنِ خاتمہ سے نواز دے۔ تیس سال کی عمر میں ایک عالم باعمل حضرتِ اقدس مدنیؒ کے خادم حضرت

مولانا غلام فرید صاحب کی لڑکی سے نکاح بھی ہو گیا تھا۔ اولاد کوئی نہیں ہوئی۔

(۳) پاکستان بننے سے پہلے ہمارے وطن ہوشیارپور میں شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ، حضرت تھانویؒ، حضرت رائپوریؒ کے خصوصی متعلقین و مریدین کی بڑی جماعت تھی۔ جن کے باہم سیاسی اختلافات کے باوجود آپس میں بہت گہرا تعلق تھا ہی میرا شب و روز کا ماحول تھا۔ پاکستان بننے کے بعد یہ ماحول بھی ختم ہوا۔

(۴، ۵) سکول پڑھنے کے دوران چونکہ اکابرین کی کتب پڑھتا تھا۔ حضرت تھانوی سے بیعت کا شوق ہوا۔ مکاتبت رہی، لیکن کم سنی کیوجہ سے حاضری کی نوبت نہیں آئی۔ کہ حضرت کا وصال ہو گیا۔ سکول پڑھنے ہی کے زمانہ میں حضرتِ اقدس رائپوری جب ہوشیار پور تشریف لائے تو ان کی زیارت اور دو روز ان کی صحبت میں رہنا ہوا، لیکن بیعت کا شوق چونکہ حضرت تھانویؒ سے تھا اس لیے حضرت کے اجل خلفار میں سے حضرت مولانا خیر محمدؒ صاحبؒ سے بیعت کر لی کہ وہ ہوشیار پور کے قریب ہی شہر جالندھر میں قیام فرما تھے۔ اُنھوں نے طالب علمی اور کم سنی کی وجہ سے کوئی ذکر و شغل تو نہیں تعلیم کیا کچھ درود شریف اور باطنی اخلاقی اصلاح کی نصیحت فرمائی۔ میں اس وقت غالباً بالغ بھی نہ ہوا تھا اسی دوران رمضان المبارک میں میں اپنے قاری صاحب کے ساتھ مسجد میں معتکف تھا اور شمائل ترمذی کا ترجمہ خصائل نبویؐ کا مطالعہ کرتا تھا۔ کہ مجھے خواب میں حضرتِ اقدس شیخ قدّس سرّہٗ کی زیارت ہوئی۔ اور ان سے دُودھ کا پینا بھی یاد پڑتا ہے۔ اس خواب کے بعد جبکہ شمائلِ ترمذی میں باب مزاح النبی صلی اللہ علیہ وسلم آیا، تو ایک حدیث (جس میں "یا ابا عمیر ما فعل النغیر" آتا ہے) کی شرح میں حضرۃ نے تحریر فرمایا:

"اس حدیث

بندہ کے دل پر ان دو سطروں کا غیر معمولی اثر ہوا اور محسوس ہوا کہ یہ بات کسی عاشقِ صادق کے دل سے نکلی ہے۔ بندہ چونکہ بیعتِ سلوک کا مقصد محبّت و اخلاص ہی کا حصُول سمجھتا تھا۔ اس لیے دل میں پُختہ ارادہ ہو گیا کہ اس کتاب کے مصنّف ہی کو اپنا آقا مُرشد بنانا ہے۔ اور یہ شوق دل و دماغ پر اس قدر مسلّط ہوا کہ پہلا بیعت ہونا یاد ہی نہ رہا، لیکن حضرت حکیم الامّت تھانوی رحمہ اللہ کی کُتب کے مطالعہ سے اس بات کا خیال تھا کہ بیعت میں جلدی نہیں کرنی پہلے آمدورفت و تعلقات قائم کر کے مناسبت پائی جانے کے بعد ہی بیعت کروں گا۔ چنانچہ دیوبند کے زمانۂ تعلیم میں کچھ عرصہ بغیر بیعت کے حضرت شیخ سے تعلق رہا۔ پھر ۱۹۴۵ء میں ایک روز حضرت اقدس سے بیعت کی درخواست کی۔ اس پر حضرۃ نے بہت حیرانی اور تعجّب سے جواب دیا کہ اس بات کا مجھ سے کیا واسطہ۔ اس کے لیے میرے دو بزرگ حضرت شیخ الاسلام مدنیؒ اور حضرتِ اقدس رائپوریؒ موجود ہیں۔ دیوبند تو تمہارا قیام ہے اور رائے پور بھی جاتے رہتے ہو۔ ایک چاند ہے ایک سُورج ہے۔ جس طرف تمہارا خیال ہو ضرور بیعت ہو جاؤ، مگر احقر نے کئی دن اصرار کے بعد جب یہ عرض کیا کہ مجھے حضرت ہی سے بیعت ہونا ہے۔ اگر حضرت کسی وجہ سے بیعت نہیں فرماتے تو بندہ کسی اور جگہ بیعت ہی نہیں ہوتا۔ اس پر حضرت نے استخارہ کرنے کا حکم فرمایا۔ بندہ تعمیلِ ارشاد کے بعد جب بیعت کے لیے حاضر ہوا، تو اس وقت نہایت بشاشت اور ناقابلِ بیان خصوصی توجّہ سے مدرسہ قدیم کی مسجد میں بیعت فرما کر ابتدائی معمولات مختصر تجویز فرما دیئے اور پھر حضرت کی طرف سے اور حضرت کے حکم و

ہدایت کے مطابق حضرت شیخ الاسلام اور حضرت رائپوری نور اللہ مرقدھما کی خدمات میں اخذِ فیض کا شرف حاصل ہوتا رہا۔ اور حضرت شیخ نور اللہ مرقدہٗ سے تعلق ان حضرات اور دیگر مشائخ کی خصوصی توجہات کا ذریعہ بنتا رہا۔ اب تو لکھتے ہوئے شرم آتی ہے۔ تقسیمِ ملک کے وقت بندہ جب نظام الدین سے پاکستان آ رہا تھا، تو حضرت جی مولانا محمد یوسف صاحب قدس سرہٗ نے بندہ کے ہمراہ پاکستانی تبلیغی احباب کو میری غیبت میں یہ ارشاد فرمایا تھا کہ "دیکھو اس کا بہت خیال رکھنا۔ یہ تمام بزرگوں کا منظورِ نظر ہے۔ حضرت کی خدمت میں حاضری سے پہلے حضرت حکیم الامت تھانویؒ کا تو وصال ہو چکا تھا۔ اس وقت حضرتِ اقدس بیعت کی درخواست کرنے والوں کو عموماً حضرت مدنی اور حضرت رائے پوری ہی کی طرف رجوع کرنے کی ترغیب دیا کرتے، حالانکہ یہ دونوں حضرات سلسلہ کی شاخ امدادیہ خلیلیہ میں سے نہیں ہیں اور تبلیغ سے خصوصی شغف رکھنے والوں کو حضرت جی مولانا یوسف صاحب نور اللہ مرقدہٗ سے رجوع کا مشورہ دیتے۔ یہ جذبہ خیر خواہی اور اخلاص مشائخ زمانہ کے لیے قابلِ تقلید نمونہ ہے۔

حضرت کی پہلی ملاقات ۴۴-۴۵ء میں دورانِ قیام ندوہ ہوئی۔ اس وقت بندہ کی عمر تقریباً انیس سال اور حضرت اقدس کی عمر مبارک تقریباً اڑتالیس برس کی تھی۔ بندہ لکھنؤ سے وطن جاتے ہوئے ایک روز کے لیے بغرضِ زیارت سہارنپور ٹھہرا تھا۔ حضرت مولانا علی میاں صاحب کا تعارفی خط بندہ کے پاس تھا۔ بندہ رات کو بے وقت پہنچا۔ اس لیے اپنے ایک واقف طالب علم کے پاس قیام کیا اور صبح بوقت چائے مع طالب علم ساتھی کے خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا حضرت نے اس طالب علم کو ڈانٹا کہ تم نے میرے مہمان کو اتنی دیر سے کیوں ملایا؟ بندہ سے نظام پوچھا، عرض کیا کہ صرف ایک روز ٹھہرنے کی گنجائش ہے۔ صبح کی گاڑی سے گھر جانا ضروری ہے۔ حضرت نے ایک صاحب کے ساتھ مدرسہ، کتب خانہ وغیرہ سب دکھلایا اور کھانے، مجلس اور ملاقات کے اوقات بھی بتا دیئے دوسرے روز صبح ہی اپنے خادمِ خاص مولوی نصیر الدین صاحب مرحوم کو اہتمام سے حکم فرمایا کہ ان مولوی صاحب کو سب سے پہلے چائے سے فارغ کر دو، کیونکہ ان کی گاڑی کا وقت ہو رہا ہے۔ بندہ نے عرض کیا کہ ایک روز ٹھہرنے کا ارادہ کر لیا ہے۔ اس پر بڑے تعجب سے استفسار فرمایا کہ کیا بات پیش آ گئی۔ ملاقات ہو گئی، مدرسہ دیکھ لیا۔ اب کیوں ٹھہر رہے ہو، جبکہ کل تو کہہ رہے تھے کہ ایک دن رہنا ہے۔ اس سے یہ نہ سمجھ لینا کہ یہ سہارنپوریہ مجھے یہاں سے بھگا رہا ہے۔ ٹھہرنے کی وجہ پوچھ رہا ہوں کہ اگر کوئی چیز وغیرہ خریدنا ہو تو میں حضور کی کوئی مدد کر سکوں۔ عرض کیا کہ اور کوئی کام نہیں ہے۔ یہ سُنا ہے کہ بزرگوں کی صحبت میں اصلاح ہوتی ہے۔ اس لیے ایک دن اور ٹھہر رہا ہوں۔ ہنس کر فرمایا، واہ تم سمجھتے ہو کہ گھر جاتے ہوئے راستہ میں لگے ہاتھ اصلاح بھی کرواتا جاؤں میں اس خدمت کے لیے بھی حاضر ہوں، مگر یہ کام چلتے چلاتے نہیں ہوتا۔ آج شوق سے ٹھہرو۔

(۶، ۷) بندہ حکیم الامت حضرت تھانویؒ کی کتابیں کثرت سے پڑھ چکا تھا۔ جن کی روشنی میں زیادہ سے زیادہ طبعی مناسبت اور حضرت کی توجہ مبارک سے بے اختیاری محبت محسوس کر کے مشائخ وقت میں سے حضرت شیخ نور اللہ مرقدہٗ کو اپنا مربی و مرشد بنایا۔ حضرت میں منجملہ دیگر اوصاف کے بندہ کے اس وقت کے ناقص خیال میں ایک خصوصیت حضرت کی عمر شریف کا تھوڑا ہونا بھی تھا۔ اس وقت خیال تھا کہ بہت بوڑھا شیخ کیا تربیت و نگرانی کر سکتا ہے۔ اس خیال کا غلط ہونا خود حضرت شیخ

کے بڑھاپے میں کام کرنے کو دیکھ کر ثابت ہو گیا۔

(۸) بیعت کے بعد ابتدائی معمولات پر عمل کے ساتھ بندہ کو حضرت کی صحبت میں زیادہ سے زیادہ رہنے اور دوری کی حالت میں حضرت کی کتب کا مطالعہ اور کثرت سے مکاتبت رہی، مگر اس مکاتبت میں بندہ کے اکثر اپنے عام حالات اور دُعا اور توجہ کی درخواست ہوتی تھی۔ اصلاح باطن اور سلوک کے متعلق بہت کم سوالات ہوتے تھے۔ جن کا مختصر اور شافی جواب حضرت مرحمت فرما دیتے اور تصوف کی لائن کی کوئی بات اپنے حال سے اونچی یا غیر متعلق پوچھی، تو اسطرح کا جواب ہوتا تھا کہ "یہاں تک تو ابھی میں بھی نہیں پہنچا" معمولات کی پابندی کی اطلاع پر مسرت کا اظہار ہوتا اور سُستی کی اطلاع پر تنبیہ ہوتی۔ اور کبھی اچھے حال کے اظہار پر کبھی سکوت اور کبھی معمولی مسرت کا اظہار ہوتا اور بدحالی اور مایوسی کے اظہار پر مسرت اور ہمت افزائی کا مضمون ہوتا۔ حضرت کے ہاں معمولات اور ذکر کی پابندی اور اعمال کی نگرانی اور اہمیت تھی۔ معاملات اور اخلاق کے معاملہ میں سخت گرفت تھی، لیکن باطنی سطحی احوال کی کوئی خاص اہمیت نہ تھی۔ اصل تعلق باللہ اور محبت کے احوال اور ذکر سے وابستگی پر زور تھا۔ ان سب باتوں کے متعلق تحریری ارشادات کم تھے۔ حضرت کے مختصر زبانی فقروں اور چہرہ مبارک کے انداز سے جوابات ملتے اور فیضِ صحبت سے راہنمائی ہوتی۔ اس لیے ان جذبات کو یاد کر کے تحریر میں لانا بندہ کی موجودہ بیماری کی حالت میں بہت مشکل ہے تقسیم ملک سے قبل کے خطوط ہندوستان رہ گئے اور مدینہ پاک کے قیام سے قبل حضرت کے دستِ مبارک کے لکھے ہوئے خطوط بعض وجوہ سے میرے پاس محفوظ نہیں رہے۔ تلاش کرنے سے مل جائیں گے تو انشاء اللہ ارسال خدمت کروں گا۔

(۹) بندہ چونکہ کم سنی سے حاضری اور علم سے بے بہرہ اور کند ذہن بھی ہے اور حضرت کے مزاج مبارک میں نگرانی اور روک ٹوک اور ڈانٹ کی عادت نمایاں تھی۔ جیسا کہ انہوں نے مزاح، خوش طبعی اور غیروں سے تسامح کرنا یہ اوصاف بھی نمایاں تھے۔ جتنا جتنا بندہ کا تعلق بڑھتا گیا اور بندہ کی تالیفِ قلب کی ضرورت کم ہوتی گئی۔ حضرت کی طرف سے محاسبہ بھی بڑھتا گیا۔ اور آخری سالوں میں بندہ کی بیماریوں اور شاید کچھ محبت کی وجہ سے ابتدار کی طرح پھر تسامح اور دلداری کا معاملہ ہو گیا۔ اس لیے بارہا فرماتے تھے کہ تمہیں ہر وقت اور ہر قسم کی بات کرنے کی اجازت ہے۔ تمہارے اُوپر کوئی قانون نہیں۔ حتیٰ کہ میرے ایک عریضہ کے جواب میں گرامی نامہ مؤرخہ ۱۹، نومبر ۱۹۸۰ء میں تحریر فرمایا "ارے پاگل کب تک میری ناراضگی سے ڈرتا رہے گا۔ تم ان لوگوں میں نہیں ہو جن سے ناراض ہوں۔" ڈانٹ کے واقعات یاد کر کے لکھنے کی اس وقت طاقت نہیں۔ چند واقعات پرانے لکھے ہوئے میرے رسالہ "عبرت آموز واقعات" سے نقل کر دیتا ہوں۔ اسی طرح نمونہ کے طور پر ایک واقعہ دوسرے بھائی کا یہاں لکھتا ہوں۔ ایک بار حضرت اقدس کے پرانے شاگرد اور تبلیغی جماعت کے کارکن جو ذکر و شغل کرتے تھے۔ رمضان کا چلہ گزارنے حجاز تشریف لائے تو حضرت کے حرم شریف کے اوقات میں حضرت کے ساتھ رہنے کا ارشاد تھا۔ وہ صاحب پہلے ہی دن جب حضرت نفلوں میں مشغول تھے تبلیغی جماعت کے حلقے میں چلے گئے۔ واپس ہوئے تو حضرت نے حرم ہی میں دھیمی آواز سے بہت زور دار ڈانٹ پلائی اور اس تبلیغی حلقہ میں جانے کو جس کا حضرت کو بہت ہی اہتمام ہوتا تھا اور اس کو بہت اونچا کام فرماتے تھے۔ سیر گشت اور تفریح کے الفاظ سے تعبیر فرمایا۔ اس سخت ناراضگی کے واقعہ پر اس

صاحب اور ہم لوگوں کو بھی تعجب ہوا ، لیکن حضرت کی عادت شریفہ معلوم تھی۔ اس لیے بندہ کو خوشی اور اُمّید بھی ہوئی کہ اب اس پر حضرت کی خصوصی توجّہ پڑے گی۔ کیونکہ اس ڈانٹ سے وہ خود متوجّہ ہو گیا ہے۔ چنانچہ اس سفر میں ان کو اجازتِ بیعت عطا فرمائی۔

(۱۰) "اتباعِ سُنّت" صفحہ ۸۲ سے نقل ہے کہ ایک مرتبہ حضرتِ اقدس کے پاس رقم آئی ، تو حرم شریف میں بیٹھے ہوئے جبکہ "تنہا بندہ ہی قریب بیٹھا ہوا تھا۔ پانچ ہزار ریال (پندرہ ہزار پاکستانی روپے) بندہ کو عنایت فرمائے۔ اسوقت بندہ بعض اسفار میں اخراجات کی وجہ سے کچھ مقروض تھا ، مگر اللہ کے فضل سے اس قرض کا کسی کو علم نہیں تھا۔ حتیٰ کہ قرض دینے والے کو بھی علم نہ تھا۔ کیونکہ اس زمانہ میں میرے پاس بہت سے حضرات کی امانتیں رہتی تھیں جن میں سے خرچ کرنے کی مجھے اجازت امانت رکھنے والوں کیطرف سے ہوتی تھی۔ اس کے علاوہ کئی دفعہ بندہ کو بڑی بڑی رقمیں مرحمت فرمائیں۔

(۱۱) اس کا جواب نمبر ۸ میں آگیا ہے۔ مختصر دو تین فقرے لکھ دیتا ہوں۔ "وساوس" کے متعلق عام طور پر جواب دیا کرتے تھے کہ عدمِ التفات ہی اس کا علاج ہے۔ پرواہ نہ کرو۔

"ریا" کے متعلق شروع میں ایک دفعہ فرمایا کہ سب لوگوں کے دِل تو اللہ کے ہاتھ میں ہیں۔ اگر وہ نہ چاہیں ، تو دُوسرا کیسے خوش ہو سکتا ہے ، بلکہ اگر ریاکاری کو اللہؔ دُوسرے پر ظاہر کر دے ، تو الٹا ہی اثر ہوگا۔ اس کو سوچ کر نیّت درست کر لیا کرو۔ بعدمیں ایک دفعہ ایسا تحریر فرمایا کہ ریا وغیرہ کی فکر مت کرو۔ انشاءاللہ یہ سب باتیں ختم ہو جائیں گی۔ ذکر توجہ سے کیا کرو۔ حُبِ جاہ ومال کے متعلق ایسا فرماتے کچھ بھی کرو مقدر میں کمی زیادتی نہیں ہوتی۔ ان چیزوں سے متعلق قصّے سنانے کا بھی حضرت کا معمول تھا۔ (جاری ہے)

ضرورت رشتہ

میرا لڑکا قوم اعوان حافظ قرآن اور عالم ہے۔ خطابت و امامت کے فرائض انجام دینے کے ساتھ اپنے ذاتی مطب میں کام کرتا ہے لڑکے کی عمر ۲۲ سال کے لئے صحیح العقیدہ پابند صوم وصلوٰۃ، کنواری مسلمان لڑکی کا رشتہ درکار ہے قوم کی پابندی نہیں پتہ ذیل پر رجوع فرمائیں۔
حافظ غلام شاہ معرفت قاسمی دواخانہ موضع ٹھیرط تحصیل صادق آباد ضلع رحیم یار خاں

بقیہ : سرکارِ مدینہ کے ....

روزہ اور زکوٰۃ لائے گا اور ایسے حال میں آئے گا کہ اس شخص کو گالی دی ہوگی۔ اور اس پر تہمت لگائی ہوگی (مثلاً کسی کو حرامزادہ کہا ہوگا۔ اور اس کا مال کھایا ہوگا۔ اور اس کا خون بہایا ہوگا اور اس کو مارا ہوگا۔ پھر اللہ اس کو اس کی نیکیوں میں سے دے دے گا۔ پھر اگر اس کی نیکیاں ختم ہو جائیں گی اس سے پہلے جو اس پر حق ہیں وہ ادا کئے جائیں گے تو ان لوگوں کے گناہوں میں سے لئے جائیں گے پھر اس پر ڈال دئے جائیں گے۔ پھر اسے آگ میں ڈال دیا جائیگا
فاعتبروا یا اولی الابصار۔ وما علینا الا البلاغ۔

ماہانہ مجلس ذکر

انشاءاللہ تعالےٰ خضرا مسجد سمن آباد لاہور میں زیر صدارت حضرت مولانا عبیداللہ انور دامت برکاتہم ، ۷ راگست ۸۳ء بروز اتوار بعد نماز مغرب منعقد ہوگی۔ دعوتِ عام ہے۔
(ناظم)

اسلامی نظام کی ایک جھلک

از : شیخین صابر ــــ لاہور سٹی سنٹر

اللہ اپنی ہدایت اُسے دیتا ہے جو اُس کی طرف رجوع کرتا ہے۔
(الرعد : ۲۷)

ارشادِ رب العالمین ہے :
"اے ایمان والو! اسلام میں پوری طرح داخل ہو جاؤ۔ اور شیطان کی پیروی مت کرو" (البقرہ)

۱۔ اللہ الٰہ العالمین ، ربُّ العالمین ارحم الراحمین ہے۔ اُس کی عظمت لا انتہا ہے۔ اس کی رحمت لا انتہا ہے "اس نے رحمت کو اپنے اوپر لازم کر رکھا ہے" (الاعراف ۱۵۶)

۲۔ اللہ نے انسانیت کی ہدایت کے لئے اپنے رسول محمدؐ کو رحمۃ للعالمین بنا کر بھیجا۔

۳۔ اور محمدؐ رسول اللہ کے بحکم ربّ علیم وکلیم رسالت کی تصدیق کرنے والے صدیق اکبر ابوبکرؓ کو "ارحم اُمتی باُمتی" قرار دیا ہے۔

۴۔ اللہ نے اولیاء اللہ اصحابِ رسولؓ کو بہترین گروہ بنایا تا کہ وہ لوگوں کے امام بنیں اور رسولؐ اُن کا امام ہو۔

۵۔ اللہ نے قرآن کو رحمت حکمت اور نورِ ہدایت بنا کر سید الانبیاء محمد مصطفٰےؐ خاتم النبیین ، خاتم المعصومین پر نازل فرمایا۔

۶۔ کتاب ہدیٰ قرآنِ عظیم بنی نوع انسان کو زندگی بخش تعلیمات سے نوازتا ہے۔

ذکر للعالمین ھُدیٰ للمتقین

قرآن حکیم بنی نوع انسان کو......

۱۔ یقینیات ، ایمان وتقویٰ ، دل کی صفائی اور پاکیزگی کی تعلیم دیتا ہے اور تشکیک ، فکری انتشار ، ذہنی آوارگی اور اخلاق باختگی سے نجات دلاتا ہے۔

۲۔ اللہ پرستی ، الوہیت الٰہی اور اناشناسی کی تلقین کرتا ہے اور انسانی الوہیت ، شخصیت پرستی اور اَنا پرستی کے بُتوں کو پاش پاش کرتا ہے۔

۳۔ توحیدِ خالص اور اللہ وحدہٗ لاشریک کا پرچم بلند کرتا ہے اور رجعت ، تناسخ ارواح اور حلُول کو باطل قرار دیتا ہے۔

۴۔ شرفِ انسانی آزادی فکر وضمیر ، انسانی برابری ، برادری اور آزادی کا سبق پڑھاتا ہے اور نسلی اور پیدائشی برتری اور بالا دستی کو خلافِ حق قرار دیتا ہے۔

۵۔ تقویٰ معیارِ فضیلت اور خلافت منہاج النبوت کا نظام قائم کرتا ہے اور موروثی نسلی امامت کو خلافتِ مصلحت قرار دیتا ہے۔

۶۔ اطاعتِ قانون الٰہی ، شوریٰ بینہم اور خلق اللہ کی خدمت کی راہ پر قائم کرتا ہے اور اطاعتِ ذرّیت اور ارتکازِ اختیارات کو ممنوع قرار دیتا ہے۔

۷۔ ایمان و نیک عمل یوم الحساب ، مکافاتِ عمل اور جزا سزا کے عقیدہ کو حق الیقین قرار دیتا ہے اور ایمان وعمل کے بغیر نجات بطفیل اکابر کو خلافِ حق خوش فہمی قرار دیتا ہے۔

۸۔ ایمان وایقان ، اتقا وارتقا اور اتحاد وجہاد پر عمل کرنے کی تلقین کرتا ہے اور قانونِ الٰہی اور امتِ محمدی میں تفریق واختلاف ، فرقہ پرستی اور فرقہ وارانہ نفرت کا انجام لازمی تباہی بتاتا ہے۔

۹۔ اکلِ حلال وصرفِ خیر ، زکوٰۃ وعشر ، وراثت و"قل العفو" اور ملکی اجتماع کفالت کا حکم دیتا ہے اور معاشی اجارہ داری دولت ووسائل کے ارتکاز واحتکار اور سُود کو حرام قرار دیتا ہے۔

۱۰۔ عدل واحسان ، امانت ودیانت اور صلہ رحمی کی تلقین کرتا ہے اور خود غرضی ، زر پرستی اور حرص واستحصال کو ممنوع قرار دیتا ہے۔

اے کرمی نازی بقرآن عظیم
تا کجا در حجرہ باشی مقیم!
در جہاں اسرارِ دیں را فاش کن
نکتۂ شرعِ مبیں را فاش کن!

مطبوعاتِ انجمن خدّامُ الدّین لاہور

* —— مردِ مومن —— —— ۲۲/۵۰ روپے
* —— خطباتِ جمعہ —— دس حصّے —— فی حصّہ -/۵ روپے
* —— مجالسِ ذکر حضرتؒ کی اصلاحی تقاریر کا قیمتی خزانہ —— دس حصے —— فی حصّہ -/۵ روپے
* —— اسلامی تعلیمات حضرت مولانا عبیداللہ انور کے خطبات و مواعظ کا قیمتی مجموعہ —— ہدیہ —— -/۲۴ روپے
* —— ملفوظاتِ طیّبات حضرت لاہوریؒ کے ملفوظات کا دلآویز گلدستہ —— —— ۱۰/۲۵ روپے
* —— گلدستہ صد احادیثِ نبویؐ ترجمہ و تشریح حضرت لاہوریؒ —— —— ۱/۰۰ روپے
* —— خلاصۃ المشکوٰۃ مشکوٰۃ کا خلاصہ۔ حضرت لاہوریؒ کی محنت کا شاہکار —— —— -/۵ روپے
* —— اصلی حنفیّت مذہب حنفی کی سچی تصویر۔ حضرت لاہوریؒ کے قلم سے —— —— -/۱ روپے
* —— مقصدِ قرآن از حضرت لاہوریؒ —— —— -/۱ روپے
* —— ضرورۃ القرآن از حضرت لاہوریؒ —— —— -/۱ روپے
* —— خدام الدین حضرت لاہوریؒ نمبر —— —— -/۲۵ روپے
* —— رسائل کا سیٹ دو جلد —— فی جلد -/۱۰ روپے، یکمشت دونوں حصے منگوانے پر -/۱۸ روپے

ہر قسم کی دینی کتب منگوایئے۔ ڈاک خرچ بذمہ ادارہ ہوگا۔ آرڈر کے ساتھ نصف رقم پیشگی بذریعہ منی آرڈر ضرور بھیجیے

ناظم شعبہ نشر و اشاعت انجمن خدام الدین شیرانوالہ دروازہ، لاہور

منظور شدہ محکمہ تعلیم ۱- لاہور ریجن بذریعہ چٹھی نمبری ۷/ ۱۶۳۲۱ مورخہ ۳ مئی ۱۹۵۶ء (۲) پشاور ریجن بذریعہ چٹھی نمبر B.C. ۲۳۶۷-۲۴۸۱ مورخہ ۷ ستمبر ۱۹۵۶ء
۳- کوئٹہ ریجن بذریعہ چٹھی نمبری ۳۹/۹/۲۰۷۶۷- D.O.9 مورخہ ۱۴ اگست ۱۹۶۴ء (۴) راولپنڈی ریجن بذریعہ میمو نمبر ۱۲ G.O./۴۰- ۳۱۵۴۱۰ مورخہ ۸ مارچ ۱۹۶۷ء